علمی، ادبی، دینی، و تبلیغی رسالہ

ماہنامہ آگرہ

اذان بلال

جلد ۳۸ شمارہ: ۱، ۲

جمادی الثانیہ، رجب المرجب ۱۴۴۷ھ مطابق جنوری، فروری ۲۰۲۶ء

مدیر: ابوالبرکات مظاہری

بیادگار

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ

سرپرست

حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

موبائل نمبر: 9557358285

9411401142

فون: ۰۵۶۲-۲۵۲۰۷۴۸

زرتعاون ہندوستان سے

فی شمارہ............۲۵ روپے

سالانہ..........۲۵۰ روپے

خصوصی.........۲۰۰۰ روپے

سہ سالہ.........۷۵۰ روپے

لائف ممبری.....۱۰۰۰۰ روپے

بیرون ممالک

۵۰ امریکی ڈالر کے مساوی

مجلس ادارت

اساتذۂ دارالعلوم آگرہ

اس دائرہ میں سرخ نشان علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی، آئندہ کے لئے براہ کرم رقم ارسال فرمادیں

خط وکتابت کا پتہ: منیجر "اذان بلال" دارالعلوم آگرہ محلہ پیر جیلانی آگرہ-۴

اس شمارے میں

نمبر شمار	فہرست مضامین	مضمون نگار	صفحہ
۱	علمی معجزہ	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ	۵
۲	لوگ کہتے ہیں	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	۱۸
۳	شیخ عبدالقادر جیلانی کا......	حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ	۲۳
۴	سماج کے معتقدات اوران......	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ	۳۱
۵	ہمارا کل ہمارا آج	مولانا مفتی ناصرالدین صاحب	۳۶
۶	فقہ وفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری	۳۹
۷	محنت وریاضت	حضرت مولانا پیر ذوالفقار نقشبندیؒ	۴۸
۸	خبرنامہ	ادارہ	۵۸

Printed at : Rabbani Printers Katra Sheikh Chand Lal Kuan Delhi.110006
Published by:Abul Barakaat Mazahiri Darul Uloom Agra Peer Jilani Agra-4.

مضمون نگار کی ہر بات سے ادارہ ''اذان بلال'' کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ ادارہ

پرنٹر پبلیشر ابوالبرکات مظاہری نے ربانی پرنٹرس کٹرہ شیخ چاندلال کنواں دہلی سے چھپواکر ''دفتر اذان بلال'' دارالعلوم آگرہ محلّہ پیر جیلانی آگرہ نمبر-۴۔ یوپی (انڈیا) سے شائع کیا۔

قسط آخر

علمی معجزہ

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

مشتبہ چندے سے احتراز

دار العلوم دیوبند میں ممبئی کے ایک سیٹھ آئے تھے۔لکھ پتی لوگوں میں سے تھے دار العلوم کو دیکھا۔ بہت خوش ہوئے پسند کیا، اور اعلان کیا کہ پچیس ہزار روپیہ (۲۵۰۰۰) بھیجوں گا۔تو ہمارے بزرگوں نے اس کے اوپر کوئی زیادہ خوشی کا اظہار نہیں کیا۔جیسے مثلا یہ ہوتا کہ انہوں نے اعلان کیا تھا تو اس پر کوئی شکریہ ادا کیا جاتا، یا کوئی دعائیہ کلمات کہے جاتے،جس سے ان کا دل بڑھتا۔بس چپ ہوکر بیٹھ گئے تو مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اس بے چارے نے تو کتنی جی داری کا ثبوت دیا۔

پچیس ہزار یہ آج سے پینتالیس برس پہلے کی بات ہے پینتالیس برس پہلے پچیس ہزار کی قیمت ایسی ہے جیسے اسی (۸۰) ہزار پھر دینی مدارس میں پہلے پچیس ہزار کی رقم آئے تو ان کے مصارف تھوڑے ہوتے ہیں۔اس لیے بلحاظِ مصارف وہ رقم بہت تھی تو بظاہر ان کا کوئی شکریہ یا دعاء وغیرہ کے کلمات یا خوشی کا کچھ غیر معمولی اظہار ہوتا ہے۔سارے ہی چپ بیٹھ گئے۔ بڑی حیرت ہوئی خیر وہ صاحب اعلان کر کے چلے گئے ایک مہینہ گذرا دو مہینے گذرے۔ میں نے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ نے یاددہانی نہیں فرمائی۔ دار العلوم کو اگر اتنی رقم مل جاتی تو دار العلوم کے بہت سے کام چلتے۔ایک شخص نے وعدہ کیا، اعلان

کیا کم سے کم وعدہ کی یاد دہانی فرمادیں۔میری بات سن کر وہ خاموش ہوگئے۔پھر مجھے حیرت ہوئی کہ اس شخص کو نہ شکریہ نہ دعا دی۔اور اب بھی یاد دہانی کے لیے کہہ رہا ہوں تو بھی چپ۔پھر میں نے کسی دوسرے وقت یاد دہانی کرائی کہ کم سے کم ایک خط لکھ دیں کہ بھائی یہ رقم بھیج دے۔ اس وقت کچھ منہ بنا کر فرمایا کہ

''یہ رقم دارالعلوم میں نہیں آسکتی''

میں نے کہا آخر کیوں؟فرمایا

ان کا سارا کام سود بٹے پر چلتا ہے۔آب کاری کے محکمے میں ان کی ملازمت ہے۔اور اسی رقم کی ان کی ساری کمائی ہے۔وہ کمائی یہاں نہیں آئے گی۔نہ یہاں چلے گی اور نہ انہیں بھیجنے کی توفیق ہوگی۔ہم کیوں یاد دہانی کرائیں۔

اس وقت میرے ذہن میں آیا کہ ان حضرات کو ہمیشہ ایسی کمائی کا چندہ قبول کرنے سے انکار رہتا تھا۔جس کو یہ مشتبہ سمجھتے تھے۔اور وہ اس بنا پر کہ اگر وہ چندہ صرف کیا گیا تو طلبہ پر بھی وہی اثر پڑے گا ان کے علم میں برکت نہیں رہے گی۔ان کی معرفت ختم ہوجائے گی۔اس واسطے گریز کرتے تھے۔

بہر حال اہل اللہ کے ہاں یہ مسئلہ ہمیشہ بہت ہی زیادہ قابلِ توجہ رہا ہے کہ کمائی مشتبہ نہ ہونی چاہئے۔پاک ہونی چاہئے۔اس لیے کہ اسی پر توفیق اور اعمال کا دار و مدار ہے۔تو تقلیل تو بجائے خود ہے کہ حلال میں سے بھی کم سے کم ہو۔یہ تو خیر بڑوں کی شان ہے۔لیکن ہم کم سے کم اتنا تو رکھیں کہ کمائی حرام اور مشتبہ نہ ہو۔

شانِ اتقیاء

تو میں نے عرض کیا کہ آج بے عملی لاعلمی کے سبب سے نہیں بلکہ دوسرے اسباب ہیں

ہمارے اندر احتیاط باقی نہیں ہے۔تقویٰ اور طہارت چھوڑ فتویٰ بھی باقی نہیں کہ فتویٰ کے مطابق ہماری کمائیاں صحیح ہوں۔سب کو میں نہیں کہتا الا ماشاء اللہ ایسے آج بھی موجود ہیں جو برابر اپنی کمائی میں احتیاط کرتے ،اور قیامت تک موجود رہیں گے۔یہ امۃ خالی نہیں ہوگی۔

حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ

مثل امتی کمثل المطر لایدری اوله خیر ام آخره

میری امت کی مثال ایسی ہے جیسا کہ بارش کوئی نہیں کہہ سکتا کہ زمین کے لیے بارش کا پہلا قطرہ زیادہ نافع ہوا یا بیچ کا یا اخیر کا۔یعنی میری امت میں خیریت مشترک ہے۔کمی اور زیادتی کا فرق رہے گا لیکن خیر سے امت کبھی خالی نہیں ہوگی۔اس لیے متقیوں سے یہ امت کبھی خالی نہیں ہوسکتی۔

نبی کریم ﷺ نے وعدہ دیا ہے فرمایا۔

لاتزال طائفة من امتی منصورین علی الحق لایضرهم من خالفهم ولا من خذلهم حتی یاتی امر الله.

میری امت میں ہمیشہ ایک طبقہ رہے گا جو منصور من اللہ ہوگا،موید من اللہ ہوگا،حق کہتا اور سناتا رہے گا،حق ہی پر عمل کرتا رہے گا۔اس کے خلاف کرنے والے اس کو گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔یہاں لفظ طائفۃ فرمایا یعنی چھوٹی جماعت یہ تو ہوگا کہ وہ کم ہوجائیں گے۔مگر موجود رہیں گے۔یہ ناممکن ہے کہ امت میں باقی نہ رہیں گے۔اسی طرح فرمایا لاتجتمع امتی علی الضلالۃ فرمایا میری امت ساری مل کر گمراہی پر جمع نہیں ہوگی اہلِ حق اس میں ضرر باقی رہیں گے اور اس امت سے حق کبھی منقطع نہیں ہوگا۔

اس لیے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ خدانخواستہ سارے کے سارے ایسے مشتبہ وحرام کمائی والے ہی ہیں۔مگر ہاں اکثریت ایسوں کی ہوگئی ہے۔قلیل طبقہ ہے جو احتیاط برتتا ہے اور تقویٰ

وطہارت کو پیش نظر رکھتا ہے۔تو بات اس پر یاد آئی تھی کہ لقمۂ حلال سے ہی انسان میں توفیق ہوتی ہے نہ صرف عمل کی بلکہ اس سے علم اور معرفت بھی پیدا ہوتی ہے۔

کمالِ دانشمندی

تو امامِ شافعی رحمۃ اللہ اس وقت خوش ہوئے اور لڑکیوں سے کہا کہ دیکھا تم نے کہ امامِ وقت ہمارے ہاں مہمان ہے؟ یہ امام کی شان ہے کہ وہ قلیل کھائے تب اس میں سے دین پیدا کر لیتا ہے، کثیر کھائے تب اس میں سے دین پیدا کر لیتا ہے۔تو دیندار حقیقی معنیٰ میں وہی ہے کہ اس کو دنیا جہان بھی ملے وہ اس میں سے اپنے پیدا کر لے۔ یہ بدعقلی ہے کہ آدمی دین کو بھی دنیا بنا لے اور دانش مندی یہ ہے کہ دنیا میں سے اپنے حق میں دین اور خیر نکال لے۔

غرض امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس پر بہت خوش ہوئے، اور پھر فرمایا کہ دیکھو امامِ وقت ہمارے ہاں مہمان ہے۔

بات اس پر یاد آئی تھی کہ اکلِ حلال اور قلیل کھانے میں بہر حال ایک نور اور ایک معرفت ہے۔اور اس سے آدمی چلتا ہے۔

عمل بالقرآن سے انبیاء بنی اسرائیل سے مماثلت

تو قرآن کریم ایک معجزہ ہے، اس پر چل کر لوگ ولی بنے، کامل بنے۔اور امت اولیاء سے بھر گئی اور ایسے ایسے اولیاء کاملین پیدا ہوئے، جو

کانبیاء بنی اسرائیل

تھے۔وہ نبی نہیں تھے، مگر انہوں نے کام ایسے کئے جیسے نبیوں کے ہوتے ہیں۔نبیوں پر اگر وحی آتی تھی تو ان پر الہام ہوا۔نبیوں کے ہاتھ پر اگر معجزے ظاہر ہوئے تو ان کے ہاتھوں پر کرامتیں ظاہر ہوئیں۔نبیوں نے اگر اصلی شرائع پیش کیں تو انہوں نے شرائع وصفیہ پیش کیں۔

جنہیں اجتہادی شرائع کہتے ہیں۔تو انبیاء علیہم السلام سے مماثلت پیدا ہوگئی۔اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

کانبیاء بنی اسرائیل

یہ حدیث گوسند کے لحاظ سے ضعیف ہے۔مگراس کے ہم معنی اور بھی حدیثیں ہیں۔مضمون قدرِمشترک کے طور پر ثابت ہے۔ کہ اس امت کے اولیاء، اتقیاء اور علماء کارناموں اور کار گذاری کے سلسلہ میں انبیاء علیہم السلام کے مثل ہوتے ہیں۔ یہ ان کی ساری چیزیں عمل بالقرآن سے پیدا ہوئی ہیں۔

تو بات اس پر چلی تھی کہ قرآن خود ہی معجزہ نہیں ہے بلکہ معجزۃ بناتا بھی ہے۔یعنی معجزے کی شبیہ چیزیں اولیاء کے ہاتھ پرنمایاں ہوتی ہیں جب وہ عمل بالقرآن کرتے ہیں۔

تو قرآن کریم معجزہ ہے جونبوت کی دلیل ہے۔

علمی معجزے کا امتیاز

اس سے ایک اور بات واضح ہوئی وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو علمی معجزات دئے گئے تھے۔ اور حضورﷺ کو عملی معجزات کے ساتھ ساتھ یہ علمی معجزہ بھی دیا گیا،عمل کی خاصیت یہ ہے کہ عامل جب دنیا سے رخصت ہوتا ہے اس کا عمل بھی ختم ہوجاتا ہے لیکن علم کی خاصیت یہ ہے کہ عالم دنیا سے اٹھ جاتا ہے۔مگر اس کا علم باقی رہتا ہے۔تو نبی کریمﷺ کے عملی معجزات آپﷺ کی ذات سے ختم ہوگئے۔لیکن عملی معجزہ قرآن کریم ہے جو آج تک باقی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کی دلیل آج بھی دنیا میں موجود ہے۔تو جس دعوے کی دلیل آج موجود ہے۔وہ دعویٰ آج بھی ثابت ہے۔اس لیے حضورﷺ کی نبوت کو آج بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔اس لیے کہ اگر کوئی دلیل مانگے تو معجزہ پیش کردین گے۔اوروہ قرآنی معجزہ ہے۔

دوامِ کتاب دوامِ نبوت کو مستلزم ہے

موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ آج ان کی نبوت پر ایمان لے آؤاور دلیل مانگی جائے تو نہ عصائے موسی ہے نہ ید بیضاء ہے،عیسی علیہ السلام کے معجزات میں آج نہ احیاءِموتی ہے نہ ابراءا کمہ وابرس ہے جس کا قرآن کریم نے ذکر کیا ہے۔شعیب علیہ السلام کی نبوت کو پیش کیا جائے تو ان کی نبوت کی کوئی دلیل موجودنہیں لیکن اگر نبی کریمﷺ کی نبوت کو پیش کیا جائے اور دلیل کا مطالبہ ہوتو یہ دلیل موجود ہے۔یہ معجزہ کلامی اور علمی ہے جو عالم کے دنیا سے اٹھنے کے بعد ختم نہیں ہوا۔بلکہ آج بھی بدستور موجود ہے۔اس لیے حضورﷺ کی شریعت بھی ابدی ہے جو قیامت تک باقی رہے گی۔اس لیے کہ اس کی دلیل قائم ہے غرض اورانبیاءعلیہم السلام کی نبوتیں حق ہیں اوراپنے اپنے زمانے میں سچی ہیں مگر آج ان کے دلائل علمِ وجود میں نہیں ہیں۔لیکن حضورﷺ کی نبوت کی دلیل آج دنیا میں موجود ہے۔اس لیے نبوت قائم ہے اوراس کے بارے میں چیلنج کیا جاسکتا ہے اس لیے کہا جائے گا کہ قرآن کی وجہ سے یہ نبوت دائمی اورابدی ہے۔اب کوئی نبی آنے والانہیں ہے تو خاتم النبینﷺ کی نبوت چوں کہ قیامت تک باقی رکھنی تھی۔اس لیے دلیلِ نبوت وہ دی گئی ہے جو باقی رہ سکے ختم نہ ہونے پائے۔اوروہ ''علمی معجزہ'' ہے۔

معارضۂ قرآن کا عذاب

معجزے کی شان یہ ہے کہ جب کوئی قوم کسی معجزے کے مقابل آئی ہے،جبھی فنا ہوگئی۔ صالح علیہ السلام سے معجزہ مانگا گیا کہ پتھر میں سے اونٹنی نکال کردو۔انہوں نے باذن اللہ اونٹنی نکال کردکھلائی۔قوم نے اونٹنی کا مقابلہ کیا اوراس کوختم کیا۔تو قوم کے اوپرعذاب آیا اوراس کا صفایا کردیا گیا۔غرض جب بھی دنیا میں معجزے کے مقابل کوئی قوم آئی ہے جبھی گرگئی۔قرآن

کریم ایک معجزہ ہے یہ الگ چیز ہے کہ ہم اپنی سستی یا غفلت سے عمل میں کوتاہی کریں لیکن خدا نخواستہ اگر کوئی قوم مدِ مقابل آئے گی اور آ کر قرآن کے معارض پڑے گی۔تو یقیناً خسارے میں پڑے گی۔ یقیناً کسی نہ کسی عذاب میں پڑے گی وہ عذاب چاہے کسی بھی نوعیت کا ہو۔اس امت پر وہ عذاب تو نہیں آئیں گے جو پچھلی امتوں پر آئے۔حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ

لیس عذاب امتی الخسف والمسخ والرجف ان عذابها القتل والفتن والزلازل

میری امت کا عذاب یہ نہیں کہ صورتیں مسخ کردی جائیں۔جیسے پچھلی امتوں میں کی گئیں۔ یا پوری امت زمین میں دھنسادی جائے یہ نہیں ہوگا یا پتھر برسا کر ختم کردی جائے یہ نہیں ہوگا یہ عذاب ختم کردئے گئے۔میری امت کا عذاب کیا ہے؟

فتنے پھیلیں گے، ایک دوسرے کو مزہ چکھائیں گے۔ایک دوسرے کے مدِّ مقابل میں آئیں گے۔

قل هو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا ویذیق بعضکم باس بعض.

فرماتے ہیں: اللہ اس پر قادر ہے کہ اس امت پر اوپر سے عذاب برسادے، نیچے سے عذاب ابھاردے یا ان کے اندر عذاب ڈال دے وہ کیا ہے؟ **یلبسکم شیعا** ان میں گروہ بندی پیدا کردے۔ایک پارٹی دوسرے کو مزہ چکھاتی رہے، چین سے نہ بیٹھے۔ یہ عذاب آج بھی موجود ہے یہ جبھی ہوگا جب لوگ قرآن (جو معجزہ ہے) کے معارضے پر آئیں گے قرآن کریم کو ماننے پر آئیں، اختلافات ختم ہوجاتے ہیں، معارضہ کرنے پر آئیں، نزاعات پیدا ہوجاتے ہیں، نزاعات کا برا اثر امت ہی کے اوپر پڑتا ہے۔

افتراقِ امت کے عذاب سے بچنے کا راستہ

اگراس کوامام مان کرسارے طبقات اس پر جمع ہوجائیں اوراس کی شرح حدیث ہے،اس پر جمع ہوجائیں، اور ائمہ وعلماء راسخین نے جو جو مسائل اس سے استنباط کئے ہیں، اس پر جمع ہوجائیں تو فی الحقیقت قوم کوکوئی گمراہ کرنے والا،اور مٹانے والانہیں ہے۔اس کی قوت بنی بنائی ہے۔

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں۔

ترکت فیکم الثقلین .لن تضلوا بعدی ابدا ان تمسکتم بهما

فرماتے ہیں کہ میں دو چیزیں تم میں چھوڑ کر جاؤں گا،اگرتم ان دونوں سے تمسک کرتے رہوگے۔تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے،کبھی مغلوب نہیں ہوگے۔کتاب اللہ وسنتی

اللہ کی کتاب اور میری سنت یعنی اسوہ اور میرا طریقِ عمل جب ان کواختیار کرلوگے تو ان کو ثقلین فرمایا گیا۔یہ وزنی چیزیں ہیں۔یہ ہٹنے والی نہیں ہیں، مٹنے والی نہیں ہیں۔

جب طوفان آتا ہے اگر آدمی تنکا کا سہارا پکڑے تو تنکا بھی بہ جائے گا اور آدمی بھی بہ جائے گا،کوئی درخت بہتا ہوا آرہا ہے گو بڑا نظر آئے،مگر وہ بھی بہتا ہے،اسے پکڑے گا تو یہ بھی بہ جائے گا لیکن اگر آدمی کسی عظیم الشان چٹان کی پناہ لے۔تو چٹان کوطوفان نہیں ہلاسکتا۔تو اس شخص کوبھی نہیں ہلاسکتا۔اس لیے کہ وہ ثقیل اور وزنی چیز ہے کہ کتاب وسنت کوثقلین کہا گیا۔یعنی دواتنی وزنی چیزیں ہیں کہ اپنی جگہ سے ٹلنے اور ہلنے والی نہیں ہیں۔ان کوکوئی دوسرانہیں ہلاسکتا۔ اگران دو چیزوں کوہم مضبوط تھام لیں۔تو یہ ایسی ثقیل اور وزنی چیزیں ہیں کہ پھر طوفان ہمیں بہا نہیں سکتا۔یقیناً ہم اپنی جگہ اٹل ہوجائیں گے۔ایک قوی حجت ہمارے ہاتھ میں آجائے گی۔

اگر ہم عقلی حجت پیش کریں تو جس سے بھی ہم کوئی معقول بات کہیں گے وہ کہے گا میں تم

سے زیادہ عقل مند ہوں، میں بھی ایک معقول بات پیش کرتا ہوں۔ہم طبعی بات پیش کریں گے، وہ کہے گا میرے اندر بھی طبیعت ہے ہم اپنے مزاج کی بات منوانا چاہیں گے، وہ کہے گا کہ میرے اندر بھی مزاج موجود ہے۔میری بات آپ کیوں نہ مانیں لیکن جب آپ ایسی چیز پیش کریں گے جو سب مزاجوں سے بالاتر اور سب طبیعتوں سے اونچی ہوگی۔اور وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں۔ یہ دو ایسی وزنی اور اٹل چیزیں ہوں گی کہ ان کے آگے جھکنا پڑے گا۔تو ایک قوی حجۃ اللہ نے ہمارے ہاتھ میں عطا کی ہے۔اور وہ قرآن وسنت ہے کہ یہ اٹل چیز ہے اپنی جگہ سے ہلنے والی نہیں ہے۔ بہرحال قرآن کریم معجزہ بھی ہے معجزہ نما بھی ہے،اس پر چل کر آدمی خود معجزہ نما بھی بن سکتا ہے۔ ہزاروں اولیاء بنے، ہزاروں کاملین تیار ہوئے،اسی کتاب وسنت کے عمل نے تیار کئے یہ خود ایک مستقل ایک حجت ہے۔تو قرآن کریم کو علم کے درجے میں دیکھوتو اعلیٰ ترین علم اس میں ہے۔عمل کے درجے میں دیکھوتو اعلی ترین عمل کی کتاب ہے۔اس کا وظیفہ پڑھوتو وظیفے کی بہترین کتاب ہے۔اس میں سے حکمت نکالوتو بہترین حکمت کی کتاب ہے آج اس کے علم وحکمت سے کتب خانے بھرے ہوئے ہیں۔

علوم القرآن

امام اوزاعیؒ نے لکھا ہے کہ کثرتِ تصنیف اس امت کی خاصیت ہے دنیا کی کسی امت نے تصانیف کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع نہیں کیا جتنا اس مت نے کیا ہے۔تصانیف کے راستے ڈال دیئے ہیں۔

تاتار کی جنگ کے موقع پر جب تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا ہے تو بغداد میں کتنے کتب خانے تھے یہ تو آپ تاریخ میں دیکھیں، تعداد آپ کو معلوم ہوگی۔صرف ایک کتاب خانے کا مورخین حال لکھتے ہیں کہ بغداد کے کنارے پر جو دجلہ دریا بہتا ہے اس کا پل توڑ دیا گیا تھا تاکہ

دشمن اندر نہ آ سکے لیکن بہر حال دشمن اندر پہنچ گئے اور بغداد کو فتح کر لیا پل ٹوٹا ہوا تھا تاتاریوں کو آنے جانے کی ضرورت تھی۔ دریا گہرا تھا تو مسلمانوں کے ایک کتب خانے کو لے کر اس کی کتابوں سے دریا کو بھرنا شروع کیا پاٹتے پاٹتے اتنی چوڑی سڑک بنائی کہ چار پانچ گاڑیاں برابر برابر آ جا سکتی تھیں۔صرف ایک کتب خانے کی کتابوں کا یہ عالم تھا۔

نیز مورخین لکھتے ہیں کہ ان کتابوں کی روشنائی سے دُھل دُھل کر پانی جو بہا ہے تو ایک مہینے تک علماء کو روشنائی لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ دریا کا پانی اتنا سیاہ ہو گیا تھا کہ اس سے بے تکلف لکھا جا سکتا تھا۔تو اندازہ کیجئے جس شہر کے ایک کتب خانہ کا یہ حال ہو اس شہر کے دوسرے کتب خانے کتنے ہوں گے۔اس ملک میں کتنے ہوں گے۔

اندلس (اسپین) کی حکومت جب تباہ ہوئی ہے تو ایک عیسائی عورت نے اس کی تاریخ لکھی ہے جس کا نام حاضر الاندلس وغار بہا ہے تو اس میں تعصب دکھلایا ہے کہ عیسائیوں نے تعصب میں آ کر ارادہ کیا کہ مسلمانوں کا لٹریچر تباہ کیا جائے۔اگر یہ کتابیں باقی رہ گئیں۔تو ان کا عروج پھر ممکن ہے۔اس لیے ایک مستقل مہم قائم کی گئی کہ ان کتب خانوں کو ختم کیا جائے۔اس مقصد کے لیے افراد چنے گئے۔ایک محکمہ قائم کیا گیا کہ کتب خانوں کو جلایا جائے یا دریا برد کیا جائے۔ اور ضائع کیا جائے۔اس کے لیے ایک مستقل انچارج آفیسر مقرر ہوا تو وہ لکھتی ہے کہ کتب خانوں کی کتابیں لائی جاتی تھیں اور جلائی جاتی تھی۔پچاس برس میں جا کر پورے ملک کے کتب خانے ختم ہوئے ہیں۔تو اندازہ کیجئے کتنے کتب خانے ہوں گے، ہندوستان کے کتب خانے آپ کے پاکستان کے کتب خانے، بہت سے قدیم کتب خانے ہیں، جن کو کیڑے چاٹ رہے ہیں، پڑھنے والا کوئی نہیں، ہزاروں کتب خانے اب بھی موجود ہیں جو کیڑوں کی نذر ہو رہے ہیں۔اسی طرح حجاز کے کتب خانے، نیز مصر کے کتب خانے، مصری حکومت چھاپتے چھاپتے تنگ آ گئی ہے۔مگر سلفؒ کی کتابیں عشر عشیر بھی نہیں چھپی ہیں، ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں اب

بھی باقی ہیں جو چھپ سکتی ہیں۔ یہ اتنا ذخیرہ اس قرآن وسنت ہی کی بدولت تو قائم ہوا۔ یہ علماء نے جو تصانیف کی ہیں یہ قرآن ہی کی تو شرح ہو رہی ہے۔

کتاب مبین کا خاصہ

تو قرآن وحدیث کا اندازہ کیجئے کہ یہ اسلوب بیان کتنا جامع اور بلیغ ہے کہ اس کی شرح ہوتے ہوتے ہزاروں کتب خانے جمع ہو گئے۔ اب بھی عشرِ عشیر ہوا ہے۔ ہزاروں، لاکھوں کتابیں اب بھی باقی ہیں جو شرح طلب ہیں، تو اس سے قرآن کے علم کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ علم معجزے کا علم ہے کسی انسان کے علم کی تعبیر میں علم کا اتنا ذخیرہ نہیں ہوتا کہ اس کی شرح ہوتے ہوتے صدیاں گذر جائیں اور اس کی شرح ختم نہ ہو۔ یہ کتاب مبین ہی کا خاصہ ہے۔ خدائی کتاب ہے اور اسی علم ہی کی یہ صورت ہو سکتی تھی کہ علماء، حکماء، عرفاء اور صوفیاء ہزاروں طبقات کھڑے ہوئے ہیں اور اس کی شرح کی اور وہ شرح ہوتی جارہی ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ

لاتنقضی عجائبه

قیامت آجائے گی مگر قرآن کریم کے عجائبات ختم نہیں ہوں گے، برابر چلتے رہیں گے اور نکلتے رہیں گے۔ اور آج بھی علماء ہزاروں تصنیفات کرتے جارہے ہیں، اور استدلال آیات سے یا احادیث ہی سے ہوتا ہے تو اندازہ کیجئے کہ ایک ایک آیت مستقل ایک سمندر معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں نے نہ صرف تصانیف کی ہیں بلکہ فنون کی بنیاد ڈالی۔ بیسیوں فنون اور علوم ایجاد کئے ہر ہر فن کے اندر پھر لاکھوں کتابیں ہوئیں۔ تو یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے؟ کہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے کہ اس کتاب کے اندر سے اتنا علم نکلتا چلا آرہا ہے کہ لاکھوں کتب خانے بھر گئے، لاکھوں کتابیں بن گئیں اور آج بھی بنتی جارہی ہیں اور جو نیا مسئلہ یا حادثہ سامنے آتا ہے اس میں

اس سے اس کا حکم نکلتا چلا آ تا ہے یہ سوائے اعجاز کی قوت اور کون سی قوت ہے؟

اصلاحی نصاب

بہر حال قرآن کریم معجزہ ہے اور مسلمانوں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ حق تعالیٰ نے یہ معجزہ انہیں عطا فرمایا۔ اور اللہ کا ایک تبرک جو اس کے اندر سے نکل کر آیا ہے وہ ان کے اندر موجود ہے۔ وہ آج بھی اس کی طرف توجہ کریں تو ان کا علم، عمل اور تقویٰ پھر اونچے درجے تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اس کے آثار پھر ویسے ہی نمایاں ہو سکتے ہیں جیسا کہ کسی زمانے میں نمایاں ہوئے تھے۔

امام مالکؒ نے فرمایا

لایصلح آخر هذه الامة الا بما صلح به اولها

اس امت کے اخیر کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہوسکتی ہے جس چیز سے امت کے اول کی اصلاح ہوئی ہے۔ تو امت کا اولین طبقہ صحابہؓ کا ہے۔ ان کی اصلاح کا ضامن یہی قرآن ہوا ہے۔ ان کے کتب خانے میں قرآن کے سوا اور کوئی کتاب نہیں تھی۔ یا قرآن تھا یا اللہ کے رسول کا کلام تھا جو ان کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اسی نے ان کی اصلاح کی۔ زمانۂ جاہلیت کو تبدیل کیا، اس میں انقلاب پیدا کیا۔ انقلاب پیدا کرنے والی یہی کتاب مبین تھی۔ جو قوم کہ دنیا کی تمام اقوام میں ذلیل سمجھی جاتی تھی۔ حقارت کی نگاہوں سے عربوں کو دیکھا جاتا تھا۔ وہ پچاس برس کے اندر اندر اتنی اونچی بن گئی کہ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے حکومتوں میں انقلاب پیدا کر دیئے۔ دنیا میں جہالت کی بجائے علم کو فروغ دیا اور پھیلا دیا۔ یہ انقلاب ان کے اندر اس کتاب مبین ہی نے پیدا کیا۔ اس کے سوا کوئی اور کتاب نہیں تھی۔ اسی کا علم اور اسی کا عمل تھا۔ جس نے انہیں اتنا آگے بڑھایا تو جو چیز ان کی اصلاح کا ذریعہ بنی وہی آج ہماری بھی اصلاح کا ذریعہ بنے گی۔

مرکزِ علوم

میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ دوسرے علوم اور فنون کی تعلیم چھوڑ دیں۔ تمام علوم وفنون آپ حاصل کریں۔ آپ سائنس، فلسفہ، ہندسہ، ریاضی اور علوم طبعیہ وعقلیہ بھی حاصل کریں۔ لیکن ہر علم کا کوئی معیار اور مرکز بھی تو ہونا چاہئے جس کے اردگرد وہ علوم گھومیں۔ سارے علوم کا اگر مرکز آپ دین کو بنالیں گے۔ کہ ہم اس کی ترویج وتبلیغ اور فروغ کے لیے یہ تمام چیزیں حاصل کررہے ہیں۔ یہ سب چیزیں آپ کے حق میں دین بنتی چلی جائیں گی دنیا ہی کارآمد نہیں ہوگی بلکہ دنیا کے ساتھ آخرت کا اجر وثواب بھی مرتب ہونا شروع ہوجائے گا۔ اگر دین اور کتاب وسنت کو مرکز بنایا جائے۔ اور تمام علوم وفنون اس کے اردگرد گھمائے جائیں جن کا مقصد یہ ہو کہ اس علم کو آگے بڑھانا ہے اس کے ذریعے سے لوگوں کی اصلاح کرنی ہے اور اس کے ذریعے سے لوگوں کو صالح بنانا ہے تو ہر علم وفن کام دے گا۔ اور ہر علم وفن باعثِ اجر اور باعثِ صلاح وتقویٰ بنے گا۔

☆☆☆

لوگ کہتے ہیں

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

انسانی نفس کی چوریوں سے آں حضرت ﷺ سے زیادہ کون باخبر ہوسکتا ہے؟ چناں چہ آپ ﷺ نے جو حکم بھی دیا، اس کے تمام مضمرات کو سمجھتے ہوئے ایسے تمام راستوں کو بھی بند کیا جو اس حکم کی خلاف ورزی کی طرف لے جاسکتے ہیں، اوران چور دروازوں کی بھی نشان فرمائی جہاں سے انسان کی نفسانی خواہشات حیلے بہانے تلاش کرسکتی ہیں، نفس انسانی کی ایک فطرت یہ ہے کہ جس برائی کا الزام وہ براہِ راست اپنے سر لینا نہیں چاہتا، اسے کسی اور شخص کے کندھے پر رکھ کر انجام دینے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ مقصد بھی حاصل ہوجائے، اور اپنے اوپر حرف بھی نہ آئے، آں حضرت ﷺ نے جھوٹ کے سلسلے میں انسان کی اس نفسیاتی کیفیت کو نہایت لطیف اور بلیغ پیرائے میں بیان فرمایا ہے، امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

''بئس مطية الكذب: يقول الناس''

جھوٹ کی بدترین سواری یہ فقرہ ہے کہ ''لوگ یوں کہتے ہیں''

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ براہِ راست جھوٹ بولنے سے کتراتے ہیں، وہ بے بنیاد اور بے تحقیق باتیں لوگوں کے سر پر رکھ کر کہہ دیتے ہیں، ''لوگ تو یوں کہتے ہیں'' لوگوں میں تو یہ بات مشہور ہے لوگوں کا کہنا تو یہ ہے، یہ وہ فقرے ہیں جو جھوٹ کے الزام سے بچنے کے لیے ایک ڈھال کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں، اور جھوٹ جو اپنے پاؤں چل کر نہیں پھیل سکتا، اس قسم کے فقروں پر سوار ہوکر پھیل جاتا ہے، اسی لیے آپ ﷺ نے اس فقرے کو ''جھوٹ کی سواری''

قرار دیا۔

یہ تو ایک لطیف اور استعاراتی پیرایۂ بیان تھا، جو حقائق پر نگاہ رکھنے والوں کے لیے بڑا موثر اور دل میں اتر جانے والا ہے، لیکن اسی بات کو آپ ﷺ نے ایک اور حدیث میں بالکل سادہ اور عام فہم الفاظ میں بھی ارشاد فرمایا جسے ہر شخص سنتے ہی سمجھ جائے، فرمایا:

''کفیٰ بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع''

''انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی بات بھی کافی ہے کہ وہ ہر وہ بات دوسروں کو سنانے لگے جو اس نے کہیں سے بھی سن لی ہو''

دونوں ارشادات کا منشاء درحقیقت یہ بتانا ہے کہ ایک سچے مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ہر کچی پکی بات کہیں سے سن کر اسے آگے چلا دے، اس طرح افواہیں جنم لیتی ہیں، جھوٹی باتیں معاشرے میں پھیلتی ہیں، اور متضاد افواہوں کے گرد وغبار میں حقیقت کا چہرہ مسخ ہو کر رہ جاتا ہے، قرآن کریم نے ابھی ایسی بے تحقیق افواہیں پھیلانے کی پر زور مذمت کی ہے، آں حضرت ﷺ کے عہد مبارک میں یہ منافقین کا وطیرہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے درمیان ایسی افواہیں پھیلاتے رہتے تھے جن سے لوگوں میں بے چینی اور تشویش پیدا ہوتی تھی، اور دشمنوں کو فائدہ پہنچتا تھا، قرآن کریم نے ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

(واذا جاء ھم امر من الامن اوالخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی اولی الامر لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم)

''جب بھی امن یا خوف (جنگ) کے بارے میں انہیں کوئی بات پہنچتی ہے، وہ اسے پھیلانے میں لگ جاتے ہیں، اگر وہ اسے (پھیلانے کے بجائے) ذمہ دار لوگوں تک پہنچاتے تو ایسے لوگ اس کی حقیقت جان لیتے جو اس کی کھود کرید (تحقیق) کر سکتے ہیں''

قرآن وسنت کے ان ارشادات سے اسلام کا جو مجموعی مزاج سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ

جب تک کسی بات کی مناسب تحقیق نہ ہو جائے، اس وقت تک اسے دوسروں کے سامنے بیان کرنا جائز نہیں، اگر کوئی شخص اس قسم کی بے تحقیق بات کو پورے وثوق اور یقین سے بیان کرے تب تو ظاہر ہے کہ وہ خلافِ واقعہ اور غلط بیان کے ذیل میں آتا ہے، لیکن اگر بالفرض وثوق کے ساتھ بیان کرنے کے بجائے ''لوگ کہتے ہیں'' جیسے فقرے کا پردہ رکھ کر بیان کرے، لیکن مقصد یہی ہو کہ سننے والے اسے سچ باور کر لیں، تب بھی مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں ایسا کرنا جائز نہیں۔

دراصل اسلام کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان معاشرے کا ایک ذمہ دار فرد بن کر زندگی گذارے، اس کے منہ سے جو بات نکلے، وہ کھری اور سچی بات ہو، اور وہ اپنے کسی قول وفعل سے غیر ذمہ داری کا ثبوت نہ دے، قرآن کریم ہی کا ارشاد ہے کہ:

مایلفظ من قول الا لیدہ رقیب عتید

''انسان جو بات بھی زبان سے نکالتا ہے، اسے (محفوظ رکھنے کے لیے) ایک نگہبان ہر وقت تیار ہے''

مطلب یہ ہے کہ انسان یہ نہ سمجھے کہ جو بات وہ زبان سے نکال رہا ہے، وہ فضا میں تحلیل ہو کر فنا ہو جاتی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کہیں ریکارڈ ہو رہی ہے، اور آخرت میں اس سارے ریکارڈ کا ہر شخص کو جواب دینا ہوگا، اسی لیے آں حضرت ﷺ نے بہت سی احادیث میں زبان کو قابو میں رکھنے کی تاکید فرمائی ہے۔

لیکن ان تمام تعلیمات کے برعکس آج کل ہماری زبانیں اتنی بے قابو ہو گئی ہیں کہ ان کے استعمال میں ذمہ داری کا تصور ہی باقی نہیں رہا، جو کوئی اڑتی ہوئی بات کہیں ہاتھ آ گئی اسے تحقیق کے بغیر دوسروں تک پھیلانے اور پہنچانے میں جھجک محسوس نہیں کی جاتی، اور لوگ اسے بے دھڑک ایک دوسرے سے اس طرح بیان کرتے چلے جاتے ہیں، کہ فضا میں افواہوں کا ایک

طوفان ہمہ وقت بپا رہتا ہے۔

یوں تو ہر قسم ہی کی خبر میں احتیاط اور ذمہ داری کی ضرورت ہے لیکن جس خبر کے نتیجے میں کسی دوسرے پر کوئی الزام لگتا ہو، اس میں تو احتیاط کی ضرورت اور بھی زیادہ ہے، کیوں کہ اس سے کسی دوسرے انسان کی عزت و آبرو کا مسئلہ وابستہ ہے، اور بلا تحقیق افواہوں کی بنیاد پر کسی انسان کی عزت کو مجروح کرنا صرف جھوٹ ہی نہیں، بہتان بھی ہے، اور حقوق العباد میں سے ہونے کی بنا پر اور زیادہ سنگین جرم ہے، لیکن ہمارے موجودہ ماحول میں کسی شخص پر کوئی الزام عائد کرنا ایک کھیل بن کر رہ گیا ہے، جس میں کسی تحقیق اور ذمہ داری کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، بالخصوص اگر کسی شخص سے ذاتی، جماعتی یا سیاسی اختلاف ہو تو اس کی غیبت کرنا، اس پر بہتان باندھنا اور اسے طرح طرح سے بے آبرو کرنا حلال طیب سمجھ لیا گیا ہے۔

اس صورتِ حال کے یہ نتائج بد کھلی آنکھوں ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ فضا جھوٹی خبروں سے اتنی آلودہ ہو چکی ہے کہ حقیقتِ حال کا پتہ لگانا دشوار ہے اور اس کی وجہ سے کسی کو کسی پر اعتبار نہیں رہا، نیز جھوٹ کی اس قدر کثرت نے غلط بیانی اور بہتان طرازی کی برائی دلوں سے نکال دی ہے، اور ہر غیر ذمہ دار شخص کو یہ حوصلہ ہو گیا ہے کہ وہ بے بنیاد سے بے بنیاد بات دھڑلے سے معاشرے میں پھیلا دے، اور پھر ایک انتہائی خطرناک بات یہ ہے کہ غلط الزامات کے سیلاب میں حقیقی مجرموں کو بھی فی الجملہ پناہ مل گئی ہے، یعنی جو لوگ واقعی خطا کار اور بدعنوان ہیں، انہیں بدنامی کا زیاد خطرہ باقی نہیں رہا، اس لیے کہ وہ یہ سوچتے ہیں کہ اگر کوئی خبر ہماری بدعنوانی کے بارے میں اڑی تو وہ اسی طرح مشکوک سمجھی جائے گی جیسے اور بہت سے بے تحقیق باتوں کو سنجیدہ لوگ مشکوک سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں، چناں چہ بدعنوان افراد آرام سے بدعنوانیوں میں ملوث رہتے ہیں اور بہت سے بے گناہوں کے دامن پر داغ لگ جاتا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے ماحول میں غیر ذمہ دارانہ باتیں بے حد پھیل گئی ہیں، لیکن اس کا

علاج بھی دور دور سے اس صورتِ حال کی مذمت کرتے رہنا نہیں ہے، بلکہ ہر برائی کا علاج یہ ہے کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ یہ عزم کر لے کہ دوسرے لوگ خواہ کچھ کرتے رہیں، کم از کم وہ اپنے قول وفعل میں ذمہ داری کا مظاہرہ کرے گا، اور بے تحقیق باتوں کو پھیلا کر افواہ طرازی کا مرتکب نہیں ہوگا۔ ہر شخص کو یہ سوچنا چاہئے کہ وہ اپنے طرز عمل میں تبدیلی لا کر معاشرے سے کم از کم ایک غیر ذمہ دار شخص ضرور کم کر سکتا ہے، اور اس کے نتیجے میں کم از کم اپنے آپ کو اللہ تعالی کے سامنے جھوٹ کے گناہ سے بچا سکتا ہے، اور پھر تجربہ یہ ہے کہ جب افراد میں یہ فکر پیدا ہو جاتی ہے تو ایک شخص کا طرزِ عمل دوسرے کے لیے بھی ایک نمونہ بنتا ہے، اور ایسے نمونوں میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا جائے تو اسی طرح معاشرہ میں سدھار کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے، آج ہماری ایک اہم ضرورت یہ بھی ہے کہ ہم معاشرتی برائیوں کے رواجِ عام کو مایوسی کا ذریعہ بنانے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے سے خود بھی بچیں، اور دوسروں کو بھی بچائیں، اس کے بجائے اپنے عمل اور عزم سے بدعنوانی کی تاریکیوں میں امید کی مشعلیں روشن کریں، جن سے باعزت اور پاکیزہ زندگی کی طرف بڑھنے کا حوصلہ ابھرے، اس کے بغیر کبھی کوئی قوم ترقی کی منزلیں طے نہیں کر سکتی۔

☆☆☆

قسط اول

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا اصلاحی وانقلابی کام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

حضرت شیخ کا عہد اور ماحول

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بغداد میں ۷۳ سال گذارے اور عباسی خلفاء میں سے پانچ ان کی نظروں کے سامنے یکے بعد دیگرے مسند خلافت پر بیٹھے، جس وقت وہ بغداد میں رونق افروز ہوئے، اس وقت خلیفہ مستظہر بامر اللہ ابوالعباس (م۵۱۲ھ) کا عہد تھا، ان کے بعد بالترتیب مسترشد، راشد، المقتفی لامر اللہ والمستنجد باللہ تخت سلطنت پر متمکن ہوئے۔

شیخ کا یہ عہد بہت اہم تاریخی واقعات سے لبریز ہے، سلجوقی سلاطین اور عباسی خلفاء کی باہمی کشمکش اس زمانے میں پورے عروج پر تھی، یہ سلاطین عباسی حکومت پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے دل وجان سے کوشاں تھے، کبھی خلیفہ کی رضا مندی کے ساتھ اور کبھی اس کی مخالفت اور ناراضگی کے باوجود، کبھی کبھی خلیفہ رضامندی کے ساتھ اور کبھی اس کی مخالفت اور ناراضگی کے باوجود، کبھی کبھی خلیفہ اور سلطان کے لشکروں میں باقاعدہ معرکہ آرائی بھی ہوتی اور مسلمان ایک دوسرے کا بے دریغ خون بہاتے۔

اس طرح کے واقعات مسترشد کے زمانے میں کئی مرتبہ پیش آئے، یہ عہد عباسی کا سب سے زیادہ طاقت ور اور معقول خلیفہ تھا، اور اکثر معرکوں میں فتح بھی اسی کو حاصل ہوتی لیکن ۱۰ر رمضان ۵۱۹ھ میں سلطان مسعود اور اس کے درمیان جو معرکہ ہوا اس میں اس کو شکشت فاش ہوئی، ابن کثیر لکھتے ہیں:

''سلطان کے لشکر کو فتح حاصل ہوئی،خلیفہ کو قید کرلیا گیا،اہل بغداد کی املاک کولوٹ لیا گیا، اور یہ خبر دوسرے تمام صوبوں میں پھیل گئی، بغداد اس المناک خبر سے بہت متاثر ہوا،اور وہاں کے باشندوں میں ظاہر و باطن ہر لحاظ سے ایک زلزلہ سا آ گیا،عوام نے مسجدوں کے ممبروں تک کو توڑ ڈالا،اور جماعتوں میں شریک ہونا بھی چھوڑ دیا،عورتیں سر سے دوپٹہ ہٹا کر نوحہ خوانی کرتی ہوئی باہر نکل آئیں، اور خلیفہ کی قید اور اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ماتم کرنے لگیں، دوسرے علاقے بھی بغداد ہی کے نقش قدم پر چلے،اور اس کے بعد یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ کم و بیش تمام علاقے اس سے متاثر ہو گئے، ملک سنجر نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنے بھتیجہ کو معاملہ کی نزاکت اور اہمیت سے آگاہ اور خبر دار کیا اور اس کو حکم دیا کہ خلیفہ کو بحال کر دے، ملک مسعود نے اس حکم کی تعمیل کی،لیکن خلیفہ کو باطنیوں نے بغداد کے راستے میں قتل کر دیا۔''

یہ تمام الم انگیز واقعات شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی نگاہوں کے سامنے گذرے،انہوں نے مسلمانوں کے باہمی افتراق اور خانہ جنگی اور دشمنی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا،انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ دنیا کی محبت کی خاطر اور ملک وسلطنت اور جاہ و مرتبہ کے حصول کے لیے لوگ سب کچھ کر گزرنے پر آمادہ ہیں،اور ان کو صرف دربار کی شان وشوکت سے دلچسپی باقی رہ گئی، وہ اہل سلطنت کو تقدس کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں،اور صوبوں اور شہروں کی حکومت حاصل کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مادی وجود خواہ ان واقعات سے علیحدہ اور دور رہا ہو لیکن اپنے شعور اور احساس کے ساتھ وہ اسی آگ میں جل رہے تھے،اور اسی سوزِ دروں نے ان کو پوری ہمت و طاقت اور اخلاص کے ساتھ وعظ و ارشاد، دعوت و تربیت، اصلاح نفوس اور تزکیۂ قلوب کی طرف متوجہ کیا،اور انہوں نے نفاق اور حب دنیا کی تحقیر و تذلیل، ایمانی شعور کے احیاء،عقیدۂ آخرت کی تذکیر،اور اس سرائے فانی کی بے ثباتی کے مقابلہ میں اس حیاتِ جاودانی کی اہمیت،

تہذیب اخلاق،توحید خالص اور اخلاص کامل کی دعوت پر سارا زور صرف کر دیا۔

مواعظ وخطبات

حضرت شیخ کے مواعظ دلوں پر بجلی کا اثر کرتے تھے،اور وہ تاثیر آج بھی آپ کے کلام میں موجود ہے،''فتوح الغیب'' اور ''الفتح الربانی'' کے مضامین اور آپ کی مجالسِ وعظ کے الفاظ آج بھی دلوں کو گرماتے ہیں،ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی ان میں زندگی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے نائبین اور عارفین کاملین کے کلام کی طرح یہ مضامین بھی ہر وقت کے مناسب اور سامعین اور مخاطبین کے حالات اور ضروریات کے مطابق ہوتے تھے،عام طور پر لوگ جن بیماریوں میں مبتلا،اور جن مغالطوں میں گرفتار تھے،انہیں کا ازالہ کیا جاتا تھا،اسی لیے حاضرین آپ کے ارشادات میں اپنے زخم کا مرہم،اپنے مرض کی دوا،اور اپنے سوالات وشبہات کا جواب پاتے تھے،اور تاثیر اور عام نفع کی یہ ایک بڑی وجہ تھی،پھر آپ زبان مبارک سے جو فرماتے تھے،وہ دل سے نکلتا تھا،اس لیے دل پر اثر کرتا تھا،آپ کے کلام میں بیک وقت شوکت وعظمت بھی ہے،اور دل آویزی اور حلاوت بھی،اور صدیقین کے کلام کی یہی شان ہے۔

توحید خالص اور غیر اللہ کی بے حقیقتی

اس وقت ایک عالم کا عالم اہل حکومت اور اہل دولت کے دامن سے وابستہ تھا،لوگوں نے مختلف انسانوں اور مختلف ہستیوں کو نفع وضرر کا مالک سمجھ لیا تھا،اسباب کو ارباب کا درجہ دے دیا گیا،اور وقضا وقدر کو بھی اپنے جیسے انسانوں سے متعلق سمجھ لیا گیا تھا،ایک ایسی فضا میں حضرت شیخ فرماتے ہیں:

کل مخلوقات کو اس طرح سمجھو کہ بادشاہ نے جس کا ملک بہت بڑا اور حکم سخت اور رعب وداب دل دہلا دینے والا ہے،ایک شخص کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں طوق اور پیروں میں کڑا ڈال کر ایک صنوبر کے درخت میں ایک نہر کے کنارے جس کی موجیں زبردست اور پاٹ بہت

بڑا تھا،..................لٹکا دیا ہے اور خود ایک نفیس اور بلند کرسی پر کہ اس تک پہنچنا مشکل ہے، تشریف فرما ہے، اور اس کے پہلو میں تیر و پیکان، نیزہ و کمان اور ہر طرح کا اسلحہ انبار ہے، جن کی مقدار خود بادشاہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اب ان میں سے جو چیز چاہتا ہے اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی پر چلاتا ہے تو کیا یہ تماشا دیکھنے والے کے لیے بہتر ہوگا کہ وہ سلطان کی طرف سے نظر اٹھالے اور اس سے خوف اور امید ترک کردے، اور لٹکے ہوئے قیدی سے امید و بیم رکھے، کیا جو شخص ایسا کرے، عقل کے نزدیک بے عقل، بے ادراک، دیوانہ، چوپایہ، اور انسانیت سے خارج نہیں ہے، خدا کی پناہ بینائی کے بعد نابینائی، اور وصول کے بعد جدائی وقرب و ترقی کے بعد تنزل اور ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر ہے''۔

ایک دوسری مجلس میں توحید واخلاق اور ماسوا اللہ سے انقطاع کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں:

''اس پر نظر رکھو جو تم پر نظر رکھتا ہے، اس کے سامنے رہو جو تمہارے سامنے رہتا ہے، اس سے محبت کرو جو تم سے محبت کرتا ہے، اس کی بات مانو جو تم کو بلاتا ہے، اپنا ہاتھ اسے دو جو تم کو گرنے سے سنبھال لے گا، اور تم کو جہل کی تاریکیوں سے نکال لے گا اور ہلاکتوں سے بچائے گا، نجاستیں دھو کر میل کچیل سے پاک کرے گا، تم کو تمہاری سڑاہند اور بدبو اور پست ہمتی، نفس بدکار، ورفیقان گمراہ وگمراہ کن سے نجات دے گا جو شیاطین کو خواہشیں اور تمہارے جاہل دوست ہیں، خدا کی راہ کے رہزن، اور تم کو ہر نفیس اور ہر عمدہ پسندیدہ چیزہ سے محروم رکھنے والے، کب تک عادت؟ کب تک خلق؟ کب تک خواہش؟ کب تک رعونت؟ کب تک دنیا؟ کب تک آخرت، کب تک ماسوائے حق؟ کہاں چلے تم؟ (اس خدا کو چھوڑ کر جو) ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اور بنانے والا ہے، اول ہے، آخر ہے، ظاہر ہے، باطن ہے؟ دلوں کی محبت، روحوں کا اطمینان، گرانیوں سے سبکدوشی، بخشش واحسان، ان سب کا رجوع اسی کی طرف سے، اور اسی کی طرف اس کا صدور ہے''۔

ایک دوسری مجلس میں اسی توحید کے مضمون کو اس طرح واشگاف بیان فرماتے ہیں:

''ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھ کو نفع پہنچا سکتا ہے، نہ نقصان، بس حق تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھوں کرادیتا ہے، اسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے تصرف فرماتا ہے، جو کچھ تیرے لیے مفید یا مضر ہے، اس کے متعلق اللہ کے علم میں قلم چل چکا ہے، اس کے خلاف نہیں ہوسکتا، جو موحد اور نیکوکار ہیں، وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں، بعض ان میں سے ایسے ہیں جو ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے برہنہ ہیں، گو دولت مند ہیں، مگر حق تعالیٰ ان کے اندرون پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا، یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں، جو شخص اس پر قادر ہو اس کو مخلوقات کی بادشات مل گئی، وہی بہادر پہلوان ہے، بہادر وہی ہے، جس نے اپنے قلب کو ماسو......اللہ سے پاک بنایا، اور قلب کے دروازے پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہو گیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا، اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے، اور توحید و معرفت باطن کو مہذب بناتی ہیں''۔

معبودان باطل کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آج تو اعتماد کر رہا ہے اپنے نفس پر، مخلوق پر، اپنے دیناروں پر، اپنے درہموں پر، اپنی خرید و فروخت پر، اور اپنے شہر کے حاکم پر، ہر چیز کہ جس پر تو اعتماد کرے، وہ تیرا معبود ہے، اور ہر وہ شخص جس سے تو خوف کرے یا توقع رکھے، وہ تیرا معبود ہے، اور ہر وہ شخص جس پر نفع اور نقصان کے متعلق تیری نظر پڑے، اور تو یوں سمجھے کہ حق تعالیٰ ہی اس کے ہاتھوں اس کا جاری کرنے والا ہے تو وہ تیرا معبود ہے۔''

ایک دوسرے موقع پر خدا کی غیرت، شرکاء سے نفرت اور انسان کی محبوب چیزوں کے سلب اور ضائع ہو جانے کی حکمت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''تم اکثر کہتے ہوگے، اور کہو گے، میں جس سے محبت کرتا ہوں، اس سے میری محبت رہنے نہیں پاتی، اور رخنہ پڑ جاتا ہے، یا تو جدائی ہو جاتی ہے، یا وہ مر جاتا ہے، یا رنجش ہو جاتی ہے، اور مال سے اگر محبت کرتا ہوں تو وہ ضائع ہو جاتا ہے، اور ہاتھ سے نکل جاتا ہے، تب تم سے کہا جائے گا کہ اے خدا کے محبوب! اے وہ کہ جس پر خدا کی عنایت ہے! اے وہ جو خدا کا منظور نظر ہے! اے وہ

جس کے لیےاور جس پر خدا کی غیرت آتی ہے! کیاتمہیں معلوم نہیں کہ اللہ غیور ہے،اس نے تم کو اپنے لیے پیدا کیا،اورتم غیر کے ہورہنا چاہتے ہو،کیاتم نے خدا کا یہ ارشادنہیں سنا کہ ''وہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ اسے'' اور یہ ارشاد کہ ''میں نے جن وانس کوصرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں'' کیاتم نے رسول اللہﷺ کا یہ ارشادنہیں سنا کہ ''خدا جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے،تواسے مبتلا کرتا ہے، پھر اگر وہ صبر کرتا ہےتو اسے رکھ چھوڑتا ہے،عرض کیا کہ یارسول اللہ! رکھ چھوڑنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ''اس کے مال واولاد کو باقی نہیں رکھتا'' اور یہ معاملت اس لیے ہے کہ جب مال واولاد ہوں گےتو اسے ان کی محبت بھی رہے گی، اور خدا سے جو محبت اسے ہے، متفرق اور ناقص اور تقسیم ہوکر حق اور غیرحق میں مشترک ہوجائے گی، اور خدا شریک کوقبول نہیں کرتا، وہ غیور ہےاور ہر چیز پر غالب اورزبردست،تووہ اپنے شریک کو ہلاک اورمعدوم کردیتا ہے،تا کہ وہ اپنے بندے کے دل کوخالص کرے، خاص اپنے لیے بغیر کسی شریک کے،اس وقت اس کا یہ ارشاد صادق آجاتا کہ ''وہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ لوگ اسے'' یہاں تک کہ دل جب (خدا کے ان مصنوعی) شریکوں اور برابری کرنے والوں سے جو اہل وعیال، دولت ولذت اور خواہشیں ہیں، نیز ولایت وریاست، کرامات وحالات منازل ومقامات، جنتوں اور درجات اور قرب ونزدیکی کی طلب سے پاک وصاف ہوجاتا ہے،جس میں کوئی چیزنہیں ٹھہرتی، کیوں کہ وہ خدا کے فعل سےٹوٹ جاتا ہے، جب اس میں کوئی ارادہ پیدا ہوتا ہے،خدا کا فعل اوراس کی غیرت اس کو توڑ ڈالتی ہے،تب اس کے گرد عظمت وجبروت وہیبت کے پردے ڈالدیئے جاتے ہیں،اوراس کے گرداگرد کبریائی اورسطوت کی خندقیں کھودی جاتی ہیں کہ دل میں کسی چیز کا ارادہ گھسنے نہیں پاتا، اس وقت دل کواسباب یعنی مال اوراہل وعیال واصحاب وکرامات وحکم وبیانات کچھ مضر نہیں ہوتے کیوں کہ یہ سب دل سے باہر رہتے ہیں،تب اللہ تعالی ان سے غیرت نہیں کرتا بلکہ یہ سب چیزیں خدا کی طرف سے بندہ کے لیے بطور لطف وکرامت ورزق ونعمت کے ہوتی ہیں، اور جولوگ اس کے پاس آتے ہیں انہیں نفع پہنچانے کے لیے۔''

شکستہ دلوں کی تسکین

حضرت شیخ کے زمانے میں ایک طبقہ ایسا تھا، جو اپنے اعمال واخلاق اور ایمانی کیفیت کے لحاظ سے پست لیکن دنیاوی حیثیت سے بلند اور ہر طرح سے اقبال مند تھا، اس کے برخلاف دوسرا طبقہ معاشی حیثیت سے پست، دنیاوی ترقیات سے محروم بے بضاعت وتہی دست، لیکن اعمال واخلاق کے لحاظ سے بلند اور ایمانی کیفیات وترقیات سے بہرہ مند تھا، وہ پہلے طبقہ کی کامیابیوں اور ترقیات کو بعض اوقات رشک کی نگاہ سے دیکھتا، اور اپنے کو کسی وقت محروم ونامراد سمجھنے لگتا تھا، حضرت شیخ اس کی شکستہ دل طبقہ کی دلجوئی فرماتے ہیں، اور ان پر اللہ تعالی کی جو عنایات ہیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے اس امتیاز وفرق کی حکمت بیان کرتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے:

''اے خالی ہاتھ فقیر، اے وہ جس سے تمام دنیا برگشتہ ہے، اے گمنام اے بھوکے پیاسے ننگے، جگر جھلسے ہوئے، اے ہر مسجد وخرابات سے نکالے ہوئے، اور اے ہر در سے پھٹکارے ہوئے، اے وہ کہ ہر مراد سے محروم خاک پر پڑا ہے، اے وہ کہ جس کے دل میں (مٹی ہوئی) آرزوؤں اور ارمانوں کے (کشتوں کے) پشتے لگے ہیں، مت کہہ کہ خدا نے مجھ کو محتاج کر دیا، دنیا کو مجھ سے پھیر دیا، مجھے پامال کر دیا، چھوڑ دیا، مجھ سے دشمنی کی، مجھے پریشان کیا اور جمعیت (خاطر) نہ بخشی، مجھے ذلیل کیا اور دنیا سے میری کفایت نہ کی، مجھے گمنام کیا، اور خلق میں اور میرے بھائیوں میں میرا ذکر بلند نہ کیا، اور غیر اپنی اپنی تمام نعمتیں نچھاور کر دیں، جس میں اس کے رات دن گذرتے ہیں، اسے مجھ پر اور میرے دیار والوں پر فضیلت دی، حالاں کہ وہ بھی مسلمان ہے، اور میں بھی، اور ایک ماں باپ آدم وحوا کی اولاد میں دونوں ہیں، (اے فقیر) خدا نے تیرے ساتھ یہ برتاؤ اس لیے کیا ہے کہ تیری سرشت مٹیار زمیں (کے مثل) بے ریت ہے، اور رحمتِ حق کی بارشیں برابر تجھ پر ہو رہی ہیں، از قسم صبر ورضا ویقین موافقت وعلم اور ایمان وتوحید کے انوار تیرے گردا گرد ہیں، تو تیرے ایمان کا درخت اور اس کی جڑ اور بیخ اپنی اپنی جگہ پر مضبوط ہے، کلے دے رہا ہے، پھل رہا ہے، بڑھ رہا ہے، شاخیں پھیلا رہا ہے، سایہ دے رہا ہے، بلند ہو رہا ہے، روزانہ زیادتی اور نمو میں ہے، اس کے بڑھانے اور پرورش کرنے میں پانس اور کھاد دینے کی ضرورت نہیں، اس بارہ میں خداوند تعالی تیرے حکم سے فارغ ہے (کہ وہ

خود تیری ضروریات کو بخوبی جانتا ہے)اس نے آخرت میں تجھ کو مقام بخشا ہے، اور اس میں تجھ کو مالک بنایا ہے،اور عقبیٰ میں تیرے لیے اتنی کثرت سے بخششیں رکھی ہیں کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنی، نہ کسی انسان کے دل میں گذریں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ کون سی آنکھوں میں ٹھنڈک ان کے لیے چھپا رکھی گئی ہے،اس کام کے بدلہ میں جو کرتے رہے ہیں،یعنی جو کچھ دنیا میں ان لوگوں نے احکام کی بجا آوری،ممنوعات کے ترک پر صبر،مقدرات میں تفویض وتسلیم اور کل امور میں خدا کی موافقت کی ہے۔

اور وہ غیر جسے خدا نے دنیا عطا فرمائی اور(مال دنیا کا)مالک کیا،اور نعمت دنیاوی دی،اور اس پر اپنا فضل فرمایا،اس کے ساتھ یہ معاملہ اس لیے کیا ہے کہ اس ایمان کی جگہ ریتلی اور پتھریلی زمین ہے کہ اس میں پانی ٹھہرنا اور درخت اگنا اور کھیتی اور پھل کا پیدا ہونا دقت سے خالی نہیں تو اس زمین پر کھاد وغیرہ ڈالی جاتی ہے،جس سے پودوں اور درختوں کی پرورش ہو اور وہ کھاد دینا اس کا سامان ہے تا کہ اس سے درخت ایمان اور نہالِ اعمال کی جو اس میں اگے ہیں،حفاظت ہو،اگر یہ چیز اس سے علیٰحدہ کردی جائے،تو پودے اور درخت سوکھ جائیں گے،پھل جاتے رہیں گے،پس گھر ہی اجڑ جائے گا،حالاں کہ خداوند تعالیٰ اس کے بنانے کا ارادہ رکھتا ہے،تو اے فقیر!دولت مند آدمی کا درختِ ایمان کمزور جڑ کا ہوتا ہے،اور اس قوت سے خالی جو تیرے درخت ایمان میں بھری ہوئی ہے،اس کی مضبوطی اور اس کا ٹکاؤ ان ہی چیزوں سے ہے،جو مال دنیا اور طرح طرح کی نعمتیں اس کے پاس تجھ کو نظر آتی ہیں،اگر درخت کی کمزوری میں یہ چیزیں اس سے الگ کردی جائیں گے تو ایمان کا درخت سوکھ کر کفر وانکار(پیدا)ہو جائے گا،اور وہ شخص منافقین ومرتدین وکفار میں شامل ہو جائے گا،البتہ(اگر)خداوند تعالیٰ دولت مند کی طرف صبر ورضا ویقین،علم اور طرح طرح کی معرفتوں کے لشکر بھیجے اور اس اس کا ایمان قوی ہو جائے تو پھر اس کو تونگری اور نعمتوں کے علیٰحدہ ہو جانے کی پروا نہیں رہے گی''۔

☆☆☆

سماج کے معتقدات اوران کے عوامل

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

سماج یعنی جماعت کے اقدار و معتقدارت دو سطح کے ہوتے ہیں، ایک تو اساسی حیثیت کے مالک ہوتے ہیں اور آسانی سے تبدیل نہیں ہو سکتے، دوسرے غیر اساسی ہوتے ہیں اور وہ مختلف عوامل و موثرات سے اثر لیتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں۔

سماج کے معتقدات واقدار کے بنانے اور بدلنے والے عوامل دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک عواملِ بعیدہ دوسرے عوامل قریبہ۔

عوامل بعیدہ

مذہب

عوامل بعیدہ میں سب سے اہم عامل مذہبی اثرات ہیں، معتقدات واقدار کو بنانے میں سب سے زیادہ اثر انہی کا پڑتا ہے۔ اکثر معتقدات اسی کے اثر کا نتیجہ ہوتے ہیں اور تاریخ انسانی کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جماعت کے معتقدات کی تشکیل میں اور پھر ان کی حفاظت و بقا میں مذہبی اثرات سے غیر معمولی کام کیا ہے دوسرے عوامل و موثرات کا درجہ مذہب کے بعد آتا ہے، مذہب کی اس طاقت کو زندگی کے مختلف پہلوؤں میں نمایاں دیکھا جاسکتا ہے۔ تاریخ انسانی میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں، وجہ یہ ہے کہ مذہب آدمی کے دل کو مخاطب کرتا ہے اور دل کے متاثر ہونے میں عقل حارج ہونے کی صلاحیت بہت کم رکھتی ہے۔ اس لیے مسئلہ خود آدمی کے اندر سے مطمئن یا متاثر ہونے کا ہوتا ہے دماغی طور پر مطمئن ہونا لازمی نہیں۔

اور سماج اپنے نیم شعوری خصوصی مزاج کی وجہ سے مذہب کی پُر اثر زبان کو زیادہ سنتا اور اثر

لیتا ہے۔

مذہب کے علاوہ دیگر عوامل میں قومیت،قومی روایات،نظامِ حکومت و نظامِ معاشرتِ زمانہ اور تربیت وتعلیم قابلِ ذکر ہیں۔اور یہ سب عواملِ بعیدہ کے دائرے میں آتے ہیں۔

قومیت

قومیت ایک ایسے مشترک تصور پر مبنی ہوتی ہے جو تہذیبی،لسانی اور تمدنی وحدت پر قائم ہوتا ہے اس کے نعرہ میں بڑا اثر ہوتا ہے جو بعض وقت بڑی بڑی تحریکون کو جنم دیتا ہے، مذہب کے بعد اس کی طاقت خاصی دیکھی جاسکتی ہے۔

قومی روایات

قومی روایات بھی اسی طرح زندگی کے اندر گہرے اثرات رکھتی ہیں اور سماج ان سے بہت تعلق خاطر اور وابستگی رکھتا ہے۔ یہ روایت نسل سے نسل کو منتقل ہوتی ہیں اور سماج کو بہت عزیز ہوتی ہیں ان کی حفاظت میں سماج بعض وقت بڑی قربانی دینے کے لیے تیار ہوجاتا ہے لیکن ان کو اپنے سینے سے لگائے رکھتا ہے۔

نظامِ حکومت ومعاشرت

نظامِ حکومت و نظام معاشرت کے اثرات بھی بہت وسیع اور گہرے پڑتے ہیں، نظامِ حکومت اپنے مختلف ذرائع ووسائل سے اپنی قوم کے معتقدات کی تشکیل وحفاظت میں مؤثر ہوتا ہے اور ان کی اس شکل کو جو اس کے مطلب و مذاق کے مطابق ہو، پروان چڑھاتا اور ترقی دیتا ہے۔

نظامِ حکومت کی طرح نظامِ معاشرت بھی طاقت وراثر کا مالک ہوتا ہے اور بعض ان گوشوں پر بھی اثر انداز ہوتا ہے جن پر نظامِ حکومت کا حکم نہیں چلتا۔

نظامِ تعلیم وتربیت

رہا نظامِ تعلیم وتربیت تو وہ ایک موثر ترین عامل ہے۔ وہ افراد جن کے مجموعے سے سماج بنتا ہے وہ عمر کے ابتدائی حصہ میں جو تعلیم وتربیت حاصل کرتے ہیں ان سے ان کی زندگیاں خاصی تبدیل ومتاثر ہوتی ہیں اور پھر یہ افراد سماج کے اصل عناصر بنتے ہیں۔ ہر معاشرے کے طرز ومعتقدات کو نئی شکل دیتے ہیں۔ اس طرح پر تعلیم وتربیت نوجوانوں کے راستے عوامل قریبہ سے جماعت پر غیر معمولی اثرات ڈالتی ہے۔

عواملِ قریبہ

الفاظ کی طاقت

معتقدات جماعت پر اثر ڈالنے والے عواملِ قریبہ میں ایک تو الفاظ وادبی تعبیرات ہیں۔ یہ الفاظ وتعبیرات اپنے معنوں کے پس منظر کے ساتھ بہت موثر ثابت ہوتے ہیں۔ ان کے حسب موقع استعمال وتکرار سے ذہنوں اور جذبات پر گہرا اثر پڑتا ہے اور جماعت کے مزاج کو متاثر کیا جاسکتا ہے اور بعض اوقات مخصوص الفاظ کے بار بار استعمال سے وہ اثرات پڑتے ہیں جو بے شمار دلائل اور عقلی توجیہ وتفہیم سے نہیں پڑا کرتے۔ الفاظ کے اس جادو سے لوگوں نے بہت کام لیا ہے، اور بعض وقت قوم کے رخ کو بدل دیا ہے۔ مثلاً ہندوستان کو ہی سامنے رکھئے تو آزادی سے قبل آزادی، انقلاب، انگریز، انگریزیت، غیر ملکی اقتدار، غلامی، بدیشی اور اس سے ملتے جلتے الفاظ کس قدر طاقت واثر رکھتے تھے۔ اسی طرح آج کے حالات میں امن، جنگ، مزدور، مساوات، سامراجیت، اشتراکیت، امن عالم، خودمختاری سرمایہ دارانہ نظام، سی، آئی، اے اور اس طرح کے دوسرے الفاظ ہیں جن کو استعمال کرنے سے ذہنوں کو فوری طور پر متاثر کردینے کا فائدہ ہوتا ہے اور جب تک اصل حقیقت بتانے کی کوشش کی جائے (اس وقت تک

ان الفاظ کو استعمال کرنے والا بہت آگے تک کا فائدہ اٹھا چکا ہوتا ہے۔بعض الفاظ اپنے ساتھ طاقت ور پس منظر رکھتے ہیں۔ان الفاظ کو بار بار استعمال کرنے سے الفاظ کے معنوں سے کہیں زیادہ ان کا پس منظر اثر انداز ہوتا ہے اور سننے والے یہ فرق نہیں کر پاتے کہ الفاظ اپنے معنوں کے اثرات ڈال رہے ہیں یا پس منظر، جو ضروری نہیں کہ اس موقع پر صحیح ہو۔)

اوہام وتصورات

دوسرا قریبی عامل وہم وخیال پر مبنی تصورات ہیں، جن پر تمدن کی اصل بنیاد ہوتی ہے۔ چوں کہ عوام کا ذہن اوہام پسندانہ ہوتا ہے، اس لیے اوہام وخیالات پر بہ نسبت حقائق کے زیادہ تکیہ کیا جاتا ہے۔

دراصل ذہنوں میں جو بات سما گئی ہوتی ہے اسی کے مطابق رائیں بنتی ہیں اور حالات وواقعات کے مطابق تصور قائم کیا جاتا ہے۔بعض وقت ذہنوں میں قائم ہونے والے تصورات سے اصل واقعات بالکل مختلف بلکہ متضاد ہوتے ہیں۔لیکن جماعت اپنے تخیلات واوہام پر ہی فیصلہ کرتی ہے۔ایسے موقع پر اہلِ عقل کی کوششیں بھی کم سود مند ہو پاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ شرک وکفر کے نہایت احمقانہ رسوم واوہام بعض وقت حق وایمان کے کھلے حقائق کو چلنے نہیں دیتے اور حق کی طرف بلانے والوں کے دلائل زیادہ کارگر نہیں ہوتے۔ایسے موقع پر جماعت کے مزاج کی رعایت کے ساتھ جذبہ وشعور کو متحرک کرنے کے ذریعہ وکامیابی نسبتاً زیادہ ہوتی ہے۔

تجربات

تیسرا عامل، سماج کے اپنے خود تجربے ہیں۔ یہ تجربے بھی اس کے معتقدات پر اثر انداز ہونے کی کسی نہ کسی حد تک صلاحیت رکھتے ہیں۔اگر چہ اوہام وخیالات سے ان کا مقابلہ ہوتا ہے

اور خالصتاً یہ تجربے پوری طرح کارگر نہیں ہوتے۔لیکن پھر بھی ذہنوں میں تجربات کی تصویر جتنی زیادہ صاف آتی ہے اتنا ہی ان کا اثر خیالات ومعتقدات پر پڑتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ اپنی آنکھوں سے عیاں طور پر دیکھ لینے اور پرکھ لینے کے بعد دماغوں میں بیٹھے ہوئے اوہام وخیالات بدلنے پر مجبور ہوتے ہیں:

یورپ میں جب سائنسی تحقیقات اور فلکی انکشافات زیادہ عام اور نمایاں طریقہ سے زندگی کے تجربوں میں آنے لگے،تو عوام،حکومت اور کلیسا کی ہٹ دھرمی ان کے رواج کو نہ روک سکی، لیکن ان انکشافات کے واضح طریقے سے سامنے آنے سے قبل انکشافات کرنے والوں کو خاصی سزا اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

عقلِ انسانی

چوتھا عامل عقلِ انسانی ہے یہ بھی معتقدات کو متاثر کرنا چاہتی ہے اور کسی نہ کسی حد تک کرتی ہے لیکن سماج کے معتقدات کو متاثر کرنے میں سب سے کمزور یہی ثابت ہوتی ہے۔کسی امر کے صرف عقل کے راستے سے ثابت ہو جانے سے معتقدات جماعت تھوڑا متاثر تو ہو سکتے ہیں لیکن عموماً عام تبدیلی کی صورت نہیں اختیار کر پاتے اس لیے بڑی حد تک قلب کے تعاون کی ضرورت پڑتی ہے۔

☆☆☆

ہمارا کل ہمارا آج

مفتی ناصرالدین مظاہری
استاذ مظاہرعلوم وقف سہارنپور

یہ عجیب اتفاق ہے کہ دارالعلوم دیوبند بالکل ابتدائی دنوں میں کئی سال تک بغیر نام کے چلتا رہا بس زیادہ سے زیادہ مدرسہ عربی کہا اور لکھا گیا عربی داں حضرات سے پوچھ لیں مدرسہ عربی یہ نام نکرہ میں شمار ہوتا ہے دارالعلوم دیوبند کی ابتدائی رودادیں بھی اسی مدرسہ عربی کے نام سے شائع ہوتی رہیں بالکل اسی طرح مظاہرعلوم سہارنپور بھی چھ سال تک بغیر نام کے چلتا رہا بلکہ یہاں تو ایک قدم آگے معاملہ رہا کہ اس کے پاس اپنی زمین بھی نہیں تھی کسی مسجد میں، کرائے کے کسی مکان میں، خود بانی محترم کے مکان میں طلبہ آ آ کر پڑھتے رہے، چھ سال تک ایسا ہی ہوا، گمنامی اور بے وجودی کے باوجود اسی عہد میں مظاہرعلوم کو حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی جیسے کامل و ماہر حدیث اساتذہ ملے۔ یہ بھی اتفاق ہی کی بات ہے کہ ابتدائی پانچ چھ سال تک نہ دیوبند میں مدرسہ نے کوئی عمارت بنائی نہ سہارنپور میں عمارت کا خیال پیدا ہوا۔ اور بھی سنئے مظاہرعلوم بھی عربی مدرسہ کے نام سے چھ سال تک موسوم رہا، اتفاق پر اتفاق دارالعلوم کے محرک اول اور بانی حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی بحیثیت بانی تقریباً آج بھی گم نام ہیں یہاں مظاہرعلوم میں بھی اصل بانی محرک حضرت مولانا سعادت علی بھی آج تک تقریباً گمنام ہیں، حضرت حاجی عابد حسین کے خاندان کی تفصیلات تو کم از کم مل جاتی ہیں یہاں مولانا سعادت علی کی گمنامی کا یہ عالم ہے کہ خاندان کا ہی پتہ نہیں چل پاتا، کون تھے، کہاں کے تھے، والد کا نام کیا تھا، شجرۂ نسب کہاں سے کہاں تک ملتا ہے، اولاد کون ہے کچھ بھی نہیں ملتا ہے۔ اور دیکھئے مظاہرعلوم کا نام چھ سال بعد مظاہرعلوم تجویز کیا گیا، دونوں

ادارے ہم عمر ہیں چھ ماہ بعد مظاہر علوم وجود میں آیا اس سے پہلے اگرچہ تعلیمی سلسلہ بانی مرحوم کے دولت کدے پر جاری رہا۔اور ہاں دارالعلوم کی سب سے پہلی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا تو دارالعلوم والوں نے مظاہر علوم کے استاذ حدیث حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے نو درہ کا پہلا سنگ بنیاد رکھوایا اور یہاں مظاہر علوم کی پہلی عمارت مدرسہ قدیم یعنی دفتر والی بلڈنگ جب تیار ہوگئی تو افتتاحی تقریر کے لئے دارالعلوم دیوبند سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو بلایا،حضرت نے تین گھنٹہ تقریر کی۔

اس تفصیل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ برصغیر کے اولین بڑے اداروں نے کس قدر خموشی اور سادگی کے ساتھ کام کی شروعات کی اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ اگر کہیں کسی جگہ پر مدرسہ یا تعلیمی گہوارہ بنانا ہے تو پہلے دن سے ہی اس کا نام جامعہ کے ساتھ مشہور اور موسوم کر دیا جاتا ہے، بھلے ہی مدرسہ چھپر میں ہو، جھونپڑی میں ہو، ایک دو کمروں پر مشتمل ہو، تعلیم بھلے ہی ناظرہ تک ہو زیادہ ترقی کر لی تو حفظ کے چند بچے رکھ لئے اور یہ "جامعہ" ہوگیا۔

اس "جامعہ" نے عجم کو عرب میں بڑا رسوا کیا ہے، وہ ہماری نادانی و کم علمی پر مسکراتے ہیں کہ واہ دو ایک کمروں میں انڈیا والے جامعہ چلا لیتے ہیں۔ جامعہ کا مطلب ہوتا ہے یونیورسٹی، یونیورسٹی میں تمام زبانیں، تمام علوم اور فنون کی تعلیم ہوتی ہے۔

نام بھی ایسے کہ عرب سنیں تو دنگ رہ جائیں، یورپ والے سنیں تو اس تعلیمی ترقی کو دیکھنے کیلئے رخت سفر باندھنے پر مجبور ہو جائیں۔اور یہاں پہنچ کر کارڈ لے کر پتہ کرتے پھریں کہ بھیا یہ جامعہ کہاں ہے؟

کل ہی ایک مدرسہ کا معائنہ کرنے پہنچا نہ آدم نہ آدم زاد، ایک بوسیدہ سا ٹین شیڈ، ویرانی ہی ویرانی، صحن میں گھاس پھونس، محلّہ والوں سے پتہ چلا کہ سال دو سال سے تعلیم ہی نہیں ہوئی ہے کوئی استاذ ہے نہ طالب علم۔ پھر بھی بورڈ پر "جامعہ" اور پہنچ گئے ہیں مظاہر علوم وقف

سہارنپور تصدیق لینے کے لئے۔

خدا کے واسطے امت کو زوال کی طرف لے جانے میں حصہ داری سے بچیں۔ یہ امت غیروں سے تو پریشان ہے ہی اپنوں نے روز ہی اس قدر زخم اور زخم پہنچا رکھے ہیں کہ خطرہ غیروں سے کم اپنوں سے زیادہ ہو چکا ہے۔

شاندار لیٹر پیڈ، بہترین تعارفی کتابچہ، خوبصورت البم، دنیا بھر کی تصدیقات اور زمین پر مدرسہ کے نام سے ایک مکتب۔ یہ سچ کہہ رہا ہوں، سنی ہوئی نہیں دیکھی کہہ رہا ہوں، جگ بیتی نہیں آپ بیتی لکھ رہا ہوں، دور کی نہیں قریب کی بتا رہا ہوں۔

جب گمنامی اور خمول پسندی ہمارا مزاج تھا تو ہمارے اداروں کی جڑیں مضبوط تھیں جب شہرت پسندی اور بینر شیئر، فوٹو گرافی، ویڈیو سازی، شائع ہونے کا جنون سوار ہوا تو ہماری حیثیت ختم ہوگئی۔ اب تو مدرسوں کی پوری بلڈنگ بن جاتی ہے اور تعلیم شروع بھی نہیں ہوتی ہے پہلے بتدریج کام ہوتا تھا اور اب تدریج کو گندے انڈے کی طرح دور پھینک دیا گیا ہے۔

اس کا انجام ہم دیکھ رہے ہیں روز ہی خبریں آتی ہیں کہ فلاں مدرسہ بند ہوگیا، فلاں مدرسہ نے دینی تعلیم ختم کر کے عصری تعلیم شروع کر دی، چند دن پہلے تو بڑی ہی افسوسناک خبر سہارنپور ہی کے ایک گاؤں کی سننے کو ملی کہ کسی کم ظرف نے مدرسہ کی پوری عمارت کسی غیر مسلم کو فروخت کر دی اور خود بھاگ گیا۔ اس مدرسہ کی اپنی مسجد بھی اسی خرید وفروخت میں شامل ہے۔ توبہ توبہ۔

ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہیے
مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے

☆☆☆

فقہ و فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم

پونجی باقی رکھنے کے لیے ناجائز اسکیم

سوال: آج کل شہروں میں تجارت کرنے کے لیے پونجی تیار کرنے کے لیے ایک شخص دس بیس ممبر بناتا ہے، ہر ایک سے متعینہ رقم وصول کرتا ہے، مثلاً: ہر ممبر سے ماہانہ ۱۰۰/روپے، اور اپنے پاس جمع رکھتا ہے، تاجروں کی اصطلاح میں اسے ''ویسی'' کہا جاتا ہے۔ مہینے کے آخر میں جمع شدہ ۳۰ یا ۶۰/ہزار کی رقم حاصل کرنے کے لیے تمام ممبر جمع ہوتے ہیں، اور ''ویسی'' چلانے والا شخص اس کا نیلام اس طرح کرتا ہے: ''اس ۶۰/ہزار کی رقم پر ''اَون'' (زائد) دینے کے لیے کون تیار ہے؟ یعنی نقصان برداشت کر کے کون لے گا؟ تو اس نیلام میں پورے ۶۰ء/ہزار ملنے کے لالچ میں کوئی ۵/ہزار نقصان برداشت کر کے، تو کوئی ۱۰/ہزار کا نقصان برداشت کر کے قبول کرتا ہے، یعنی ۱۰/ہزار کا نقصان برداشت کر کے نیلام میں ویسی رکھتا ہے، چناں چہ اس کے ذمے واجب ہونے والی رقم ۶۰/ہزار روپے ہوں گے، اور اس وقت اس کو ۵۰/ہزار روپے ملیں گے۔ اب جو ۱۰/ہزار روپے بچ گئے وہ اس شخص کے علاوہ تمام ممبران کو تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ اسی طرح لاکھ روپے کی ویسی میں ۴۰/ہزار کا نقصان برداشت کرنے کے واقعات بھی ہوئے ہیں۔ تو کیا مذکورہ طریقے کے مطابق تجارت کے لیے پونجی بنانے یا پیسے حاصل کرنے کے لیے ''ویسی'' رکھنا شرعاً جائز ہے؟ نیز ویسی چلانے والا یا نیلام والی ویسی کے ممبر گنہ گار ہوں گے یا نہیں؟ کیا اس میں سود ہوگا؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔ ''ویسی'' چلانے والوں میں بہت سے مسلمان بھی ہوتے ہیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

۵۰ر ہزار کی رقم وصول کر کے ۶۰ر ہزار روپیے ادا کرنا یا ۶۰ر ہزار کی رقم وصول کر کے ۱ر لاکھ روپے ادا کرنا یہ خالص سود ہے، جو حرام اور سخت گناہ ہے۔ بچی ہوئی رقم جن لوگوں نے آپس میں تقسیم کر لی ہے، انہیں چاہئے کہ وہ رقم اس شخص کو لوٹائیں اور آئندہ اس سلسلے کو بند کریں۔ سود کی لین دین پر قرآن وحدیث میں سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

جائیداد کا قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا

سوال: ایک شخص زمین یا فلیٹ بیچنا چاہتا ہے، اور دوسرا شخص لینا چاہتا ہے، دونوں کے درمیان ۱۰ر لاکھ روپئے کا سودا ہوا ہے، پیشگی ۱ر لاکھ روپے دیے ہیں، اور دوسرے پیسوں کی مدت ۲ر مہینے ہے، خریدار سے ایک شخص وہ زمین ۱ر لاکھ کے نفع کے ساتھ، یعنی ۱۱ر لاکھ روپے میں خریدنا چاہتا ہے، تو کیا اس طرح ۹ر لاکھ روپے ادا کرنے سے قبل زمین کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ابھی زمین پر قبضہ نہیں ہوا ہے۔۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

زمین یا جائیداد خریدنے کے بعد قبضہ کرنے سے قبل دوسرے کو فروخت کرنا جائز اور درست ہے، ادھار خریدی ہوئی چیز نفع لے کر دوسرے کو بیچ سکتے ہیں، البتہ خریدار کے سامنے وضاحت کر دی جائے کہ میں نے یہ چیز اتنی قیمت اور اتنی مدت کے وعدے پر ادھار خریدی ہے، تا کہ وہ دھوکے میں نہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

متعینہ مدت میں ادا نہ کرنے سے عقد فسخ نہیں ہوتا

سوال: میرے والد اور بڑے چچا ایک گھر میں رہتے تھے، گھر دونوں کے حصے میں آدھا آدھا تھا، ۱۹۶۴ء سے قبل ہم اپنے والد کے ساتھ بیرون ملک چلے گئے، اس کے بعد میرے چچا پورا گھر استعمال کرتے تھے، میری والدہ جب ۱۹۶۴ء میں بیرون ملک سے بارڈولی آئیں، تب

اس نے ہمارے حصے کا مکان میرے چچا کو ۵/ ہزار روپئے میں بیچ دیا، البتہ رقم کی ادائیگی کے لیے ۱-۲/سال کی مدت طے ہوئی تھی۔اس کے بعد میرے والد اور والدہ ۱۹۶۹ءیا ۱۹۷۰ء میں آئیں،تب میرے والد نے میرے چچا سے کہا کہ ہم تینوں بھائی مل کر مکان تعمیر کرائیں،تعمیری کام کا خرچ ابھی میں برداشت کرلوں گا،رفتہ رفتہ آپ دونوں بھائی مجھے پیسے دے دینا۔میرے تیسرے چچا کے گھر میں بھی ہمارا حصہ ہے،لہذا ہم نے سوچا کہ سب کا ایک ساتھ گھر بن جائے! لیکن میرے بڑے چچا نے کہا کہ میرے گھر میں آپ کا جو حصہ ہے وہ بہن (بھابھی) نے ۵/ ہزار روپئے میں بیچ دیا ہے،تب میرے والد نے کہا کہ ان ۵/ ہزار کی ادائیگی کا وعدہ ۱-۲/سال کا تھا،لیکن آج ۵/سال ہوجانے کے بعد بھی ایک پیسہ مجھے نہیں ملا،لہذا اس کا نصف حصے کا عقد فسخ ہوجائے گا۔

اس وقت میرے بڑے چچا نے کہا کہ اگر تو گھر نہیں دے گا تو میں نے اپنے نام پر زمین خریدی ہے، وہ تمہارے نام نہیں کروں گا۔اس طرح میرے چچا نے دھوکہ دے کر ۵/ ہزار میں مکان لے لیا، اور ہماری زمین میرے والد کے نام کی ہے۔اس سلسلے میں شرعی حکم کیا ہے؟ براہِ کرم جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

ادھار عقد میں قیمت کی ادائیگی کے لیے جو مدت طے کی گئی ہو اس کے مطابق خریدار کے لیے قیمت کی ادائیگی ضروری ہے، قیمت کی ادائیگی پر قادر ہونے کے باوجود ادا نہ کرنا شرعاً گناہ اور قابلِ مذمت ہے، تاہم اگر کوئی خریدار متعینہ قیمت ادا نہ کرے تو شرعاً عقد فسخ نہیں ہوگا۔ صورتِ مسئولہ میں آپ کی والدہ نے آپ کے والد کا مکان کا حصہ آپ کے بڑے چچا کو ۵/ ہزار روپیے میں فروخت کردیا، اور اس عقد کو آپ کے والد نے قبول کرلیا تھا، جس کی دلیل یہ ہے کہ ۵/سال گذر جانے کے باوجود قیمت ادا نہ کرنے کی وجہ سے والد صاحب نے عقد کو فسخ شمار

کیا، لیکن انہوں یہ نہیں کہا کہ میں نے اس عقد کو قبول نہیں کیا۔ بہر حال! عقد صحیح ہونے کی وجہ سے آپ کے والد صاحب کا حصہ آپ کے چچا کی ملکیت شمار ہوگا اور اگر وہ وفات پا جائیں تو ان کے شرعی ورثاء اس حصے کے مالک ہوں گے، البتہ اگر اب تک کی قیمت کی ادائیگی نہیں ہوئی ہے، تو چچا کے ترکے سے قیمت وصول کی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

مکان کے سودے میں باڑا شامل نہیں ہے

سوال: مذکورہ گھروں کے پیچھے ایک باڑا تھا، وہ گھر کے ساتھ شامل نہیں ہے، وہ ہمارے رشتے داروں کے نام پر چل رہا تھا، اس طرح بہت سی زمینیں ہمارے رشتہ داروں کے نام پر چلی آئی ہیں۔ ۲۰۰۰ء میں میرے بڑے چچا کے لڑکے بیرون ملک سے آئے، اور اس باڑے کی زمین اپنے والد اور دوسرے چچا- جن کے گھر کو بھی باڑا لگتا ہے- کے نام پر کر لی، جب اس چچا زاد بھائی کو کہا گیا کہ اس باڑے میں میرے والد کا بھی حصہ ہے، تب اس نے جواب دیا کہ آپ نے آدھا گھر بیچا تو اس کے ساتھ باڑا شامل ہے۔ اب اس سلسلے میں میری معلومات کے مطابق اسی طرح میری بہن جو اس وقت بمبئی میں رہتی تھی، اسے بھی معلوم ہے کہ گھر کے ساتھ باڑا نہیں بیچا گیا، میری والدہ نے صرف گھر بیچا تھا، اب شرعی حکم کیا ہے؟ میرے والد، والدہ اور بڑی چچی اور چچا سب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

اگر آپ کی والدہ نے مکان سودا کرتے وقت باڑے کی وضاحت نہیں کی تو وہ عقد میں شمار نہیں ہوگا، اور اپ کے والد ہی کی ملک میں شمار ہوگا۔ اگر آپ کے چچا زاد بھائی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ گھر کا حصہ بیچتے وقت باڑے کی بھی وضاحت کی گئی تھی اور عقد میں شامل کیا گیا تھا، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ شرعی گواہ پیش کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

کومن پلاٹ کے استعمال کے سلسلے میں شرعی رہنمائی

سوال: میری کھیت کی ذاتی زمین تھی، اس کو دوسری زمین میں منتقل کرنے کے لیے سرکاری قانون کے مطابق پلاٹنگ کر کے این-اے (N.A.) کرانا پڑتا ہے، این-اے کے لیے کارآمد اصول کے مطابق پلاٹنگ میں کومن پلاٹ بھی رکھنا پڑتا ہے، یہ کارروائی سرکاری قانون کے تحت کرنی پڑتی ہے۔ مذکورہ این-اے شدہ زمین میں نے پوری کسی کو نہیں بیچی، جتنے پلاٹ پڑے ہیں وہ تمام سوسائٹی بنا دیے گئے ہیں، اور ایک بھی سوسائٹی فروخت نہیں کی۔ ہر پلاٹ علیحدہ علیحدہ طور پر الگ الگ شخص کو بیچا ہے، اس میں کومن پلاٹ کی زمین میں ان کا کوئی حق رہے گا یا نہیں؟ اس کی وضاحت نہیں کی گئی۔ دستاویز میں پلاٹ کی زمین ہی کی وضاحت کی گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) جس پلاٹ کو سرکاری قانون کے مطابق کومن پلاٹ کا نام دیا گیا ہے، شرعاً اس کا مالک کون ہوگا؟

(۲) میں اس پلاٹ کو بیچ سکتا ہوں یا نہیں؟

(۳) اس پلاٹ میں میں اپنا مکان بنا سکتا ہوں یا نہیں؟

(۴) اگر میں شرعاً مالک ہوں تو میرے اس پلاٹ کو فروخت کرنے یا اس میں تعمیری کام کرانے پر کوئی دوسرا شخص مجھے روک سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) ایسا پلاٹ شرعی طور پر بھی کومن پلاٹ شمار ہوتا ہو تو ایسے پلاٹ کی اصل زمین مالک (مَیں) مسجد- مدرسے کے لیے اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے وقف کر سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جو زمین کھیتی کے طور پر استعمال ہوتی ہوا سے کھیتی کے علاوہ قابل رہائش بنانے کے لیے سرکار سے اجازت لینے کی جو کارروائی این-اے کے نام سے کرائی جاتی ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی زمین کو رہائش کے طور پر استعمال کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں رہائش سے متعلقہ سہولیات موجود ہوں۔ مثلاً: اس زمین میں بنائے جانے والے مکانات کی ترتیب اس طرح ہو کہ کسی ایک مکان میں رہنے والوں کو دوسرے مکان والوں سے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، اس کے لیے اس کا پلاٹنگ ضروری ہے۔ اسی طرح ان مکانوں کے پاس آمد ورفت کے لیے راستے کا انتظام، ایک ہی جگہ بہت سے لوگ مل جل کر زندگی گزارتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے ایسے مواقع اور تقریبات بھی پیش آئیں گی جن میں تمام کو ایک جگہ جمع ہونے کی ضرورت پیش آئے گی۔ (جیسا کہ شادی، موت-میت، بچوں کے کھیل کود کے لیے میدان وغیرہ) اسی طرح ایک ایسی جگہ کا اجتماعی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہونا ضروری ہے، جس میں اس زمین میں رہنے والے تمام لوگ اپنی وہ ضروریات بہ حسن وخوبی پوری کرسکیں۔ سرکاری اصطلاح میں اسی کو ''کومن پلاٹ'' کہا جاتا ہے۔

جب کوئی شخص اپنی کھیتی کی زمین کو کھیتی کے علاوہ کی زمین میں منتقل کرنا چاہتا ہو، اور اس کی اجازت کے لیے سرکاری دفتر میں درخواست دے، اس وقت قانونی اعتبار سے اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنی درخواست کے ساتھ پورا پلان پیش کرے، جس میں سرکار کو اس بات کی گارنٹی دی جائے کہ میں اپنی اس کھیتی کی زمین کو کھیتی کے علاوہ میں منتقل کرنے کے لیے درخواست دے رہا ہوں، اور میں نے اس طرح کی پلاننگ کی ہے کہ آئندہ جو لوگ اس زمین میں مکان بنائیں گے ان کی رہائش سے متعلقہ تمام ضروریات کا انتظام موجود ہے۔ جب اس طرح کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے، اس کے بعد ہی وہ زمین کھیتی کے علاوہ میں منتقل کر کے وہاں مکانات تعمیر کرنے کی سرکار کی طرف سے اجازت ملتی ہے، اور اسی وجہ ایسی زمین کی قیمت بھی

خوب زیادہ ہوجاتی ہے۔بغیراین-اے والی زمین کی قیمت ایکڑاور بیگھے سے شمار کی جاتی ہے، جب کہ این-اے شدہ زمین کی قیمت ''وار'' اور ''فٹ'' کے ذریعے شمار کی جاتی ہے۔ درخواست کنندہ نے این-اے کی اجازت حاصل کرنے کے لیے جن سہولیات کا ثبوت پیش کیا تھاان ہی کی بنیاد پر اجازت ملی ہے،لہذا ان کی پلاننگ کرنا ضروری ہے۔کومن پلاٹ کا مطلب یہی ہے کہ تمام لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہوگا، چاہے وہ کومن پلاٹ اصل مالک کے نام ہی پر ہو۔اس زمین میں جو راستے بنائے گئے ہیں وہ حصہ بھی اصل مالک ہی کے نام پر ہے،تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اصل مالک دوسرے کو بیچ دے،اور دوسرا اس پر تعمیری کام کرالے؟ ابھی ابھی ماضی قریب میں این-اے کارروائی میں سرکار کی طرف سے مندرجۂ ذیل وضاحت کی گئی ہے:

(۱) کومن پلاٹ میں کسی قسم کا تعمیری کام نہیں کر سکتے۔

(۲) کومن پلاٹ اور راستے کی زمین سوسائٹی کی کومن ملکیت یا تمام پلاٹ ہولڈرز (Plot holders) کی اجتماعی ملکیت شمار ہوگی،اس پر اصل مالک کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

(۳) راستے اور کومن پلاٹ کی زمین کو نیلام،بخشش یا کسی اور طریقے بیچا یا بدلا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح کومن پلاٹ اور راستے کی زمین ہمیشہ کھلی رکھی جائے۔

(۴) کومن پلاٹ،راستہ سمیت این-اے کے بعد جب تک بیچی نہیں جاتی،اس کا خرچ اصل مالکان اٹھائیں گے،اور جب پلاٹ بیچ دیئے جائیں تو سب پلاٹ ہولڈر اپنے حصے کے مطابق خرچ برداشت کریں گے۔

آپ نے لوگوں کو جو خریداری کا دستاویز بنادیا ہے اس میں ایک جملہ لکھا ہے: ''راستہ اور خالی جگہ آمد ورفت اور کھلی رکھنے کے لیے ہے''،اس میں خالی جگہ سے کیا مراد ہے؟ خالی جگہ میں وہ تمام جگہیں شامل ہیں جن کو کھلا رکھنے کی پلان میں درخواست کی گئی تھی۔بہر حال! کومن پلاٹ

پرآپ کی ملکیت نہیں ہوگی،اگر چہ وہ آپ کے نام پر ہو۔اب آپ کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں:

()اس پلاٹ سے فائدہ اٹھانے کا حق اس زمین میں رہنے والے ہر رہائشی کا ہےاوراپنے نام پر وہ اجتماعی ملکیت شمار ہوگی۔

(۲) آپ اس کو نہیں بیچ سکتے۔(۳)نہیں۔(۴) سابق میں جواب گذر چکا۔(۵) نہیں۔(۶)وہ شرعی مسجد شمار نہیں ہوگی۔(۷)نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

سوال: ہمارے گاؤں میں ایک فیملی ایک فارم (باڑی) تھا،اس فیملی نے اس فارم کا این-اے کرواکر پلاٹنگ کیا،اس میں سے تقریبا ۲۵٪ پلاٹ بیچ دیے گئے ہیں،اور بقیہ پلاٹ اس فیملی کے قبضے میں ہیں،این-اے کے بعد اس فیملی کی ایک بوڑی عورت نے اپنی ملکیت کے حصے میں سے ایک پلاٹ مسجد بنانے کے لے ہمارے پنچ کو وقف کیا تھا،البتہ وہ وقف شدہ پلاٹ تھوڑا پیچھے ہونے کی وجہ سے پنچ نے روڈ سے متصل ایک کومن پلاٹ میں تقریبا ۵/سال سے مسجد کے نام پر ایک عمارت بنائی ہے،اس کومن پلاٹ میں تیار شدہ مسجد کے سلسلے میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) اگر مذکورہ فیملی کے تمام ممبروں نے کومن پلاٹ میں جو مسجد بنی ہے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کی ہے،اوراب جب بھی اس فیملی کا کوئی بھی مالک کسی بھی دوسرے شخص کو اپنی ملکیت کے پلاٹ میں سے کوئی پلاٹ بیچے تب وضاحت کرے کہ اس پلاٹ کا حق کومن پلاٹ میں نہیں ہے،اس میں مسجد بنی ہوئی ہے،اس وضاحت کے بعد خریدار بخوشی پلاٹ خریدے۔ اور ۲۵٪ کے قریب پلاٹ کی بکری ہوئی ہے،ان کے مالکوں نے بھی بخوشی منظوری دی ہے،تو کیا یہ عمارت مسجد کے حکم میں ہوسکتی ہے؟

(۲) کومن پلاٹ میں مسجد یا دوسری کوئی اجتماعی چیز اسکول،ہسپتال ایک دو شخص کے علاوہ

تمام کی اجازت سے بنائی جاسکتی ہے؟ یا کوئی حل بتلائیں۔

(۳) بوڑھی عورت نے پنچ کو مسجد بنانے کے لیے پلاٹ وقف کیا تھا، اس کے بعد اس کا انتقال ہوگیا، اور کومن پلاٹ کی مسجد سے تقریباً ۲۰۰ ر میٹر کے فاصلے پر وقف شدہ پلاٹ ہے، فی الحال اور مستقبل قریب میں وہاں مسجد کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، تو اب اس وقف شدہ پلاٹ کا استعمال مسجد ہی کے لیے ہوسکتا ہے؟ یا کسی دوسری چیز میں استعمال کر سکتے ہیں؟

(۴) نوٹ: مذکورہ مسجد کی عمارت تقریباً ۵ رسال پہلے تعمیر ہوئی ہے، وہاں نمازِ پنج گانہ اور جمعہ بھی ہوتا ہے، جب وہاں مسجد بنی تب فیملی کے مالکوں کی اجازت لی تھی، البتہ دوسرے مالکوں کی اجازت نہیں لی تھی، اور ان کو مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اعتراض نہیں ہوا، اور فی الحال بھی کوئی پریشانی نہیں ہے، لہذا وہاں شرعاً مسجد شروع ہو جائے ایسی کوئی شکل وصورت کی طرف رہنمائی فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلياً و مسلماً:

(۱) اس صورت میں وہ عمارت مسجد کے شرعی حکم میں ہوگی۔

(۲) جن لوگوں نے اجازت نہیں دی، اس کی وجہ اگر ان کی پریشانی ہے تو اس کا حل ضروری ہے، اور اگر پریشانی نہیں، بلکہ صرف ضد اور ہٹ دھرمی ہے، تو اس کا اعتبار نہیں۔

(۳) پلاٹ کی مالکہ عورت نے پنچ کو پلاٹ دیتے وقت یہ کہا کہ میں یہ پلاٹ مسجد بنانے کے لیے دیتی ہوں، آپ اس میں مسجد تعمیر کرلیں، تو اگر اس میں مسجد نہیں بنی تو وہ پلاٹ عورت ہی کی ملکیت شمار ہوگا، وہ جس طرح اس کا استعمال کرنا چاہے کرسکتی ہے۔ اور اگر اس عورت نے پلاٹ دیتے وقت یہ کہا ہو کہ یہ پلاٹ میں مسجد کے لیے وقف کرتی ہوں یا میں نے یہ پلاٹ مسجد کے لیے وقف کیا، تو اس صورت میں مسجد کے علاوہ کسی اور کام میں اس کا استعمال نہیں ہوسکتا۔

(۴) اس صورت میں وہاں شرعی مسجد ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم ☆☆☆

قسط اول

محنت وریاضت

پیرذوالفقاراحمد نقشبندی

الحمد لله و کفی وسلام علی عباده الذین اصطفی اما بعد!

فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم. بسم الله الرحمن الرحیم

لقد خلقنا الانسان فی کبد (البلد: ۴)

سبحن ربک رب العزة عما یصفون. وسلم علی المرسلین. والحمد لله رب العلمین.

اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم

اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم

اللهم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم

محنت میں عظمت

مقصدِ زندگی کام ہے آرام نہیں۔آرام کے لیے اللہ تعالیٰ نے جنت کو بنایا ہے۔اس دنیا میں دینی اعتبار سے جس بندے نے بھی عزتیں پائیں وہ محنت ہی سے پائیں۔ چوں کہ محنت میں عظمت ہے اس لیے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ محنت کو اچھا سمجھیں۔محنت سے جان چھڑانا اور جی چرانا پسندیدہ بات نہیں ہے۔آرام طلبی اور تن آسانی جیسی چیزیں مومن کی زندگی میں نہیں ہوتیں بلکہ اس کی زندگی میں محنت، مشقت اور مجاہدہ ہوتا ہے۔تو یہ نوٹ کرلیں کہ مقصدِ زندگی کام، کام اور بس تھوڑا سا آرام اور آرام بھی اس لیے کرنا ہے کہ پھر کام کرنا ہے۔ جو کام کرنے والے لوگ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو آرام کرنے پر بھی اجر عطا فرماتے ہیں۔اسی لیے حدیثِ

پاک میں فرمایا گیا ہے۔

نوم العلماء عبادة (علماء کی نیند عبادت ہے)

یعنی جو علماء دین کا کام کرتے ہیں اور پھر وہ اپنے جسم کو آرام دیتے ہیں تا کہ پھر کام کرسکیں، اللہ تعالی ان کے اس آرام کے وقت کو بھی کام میں شامل فرمادیتے ہیں۔

ادھار کی چیز کی قدر

جب بندہ دین کی محنت کر کر کے تھک جائے تو اسے خوش ہونا چاہیے۔ جس دن جسم زیادہ تھکے اس دن زیادہ خوش ہو۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تم اتنی عبادت کرو اتنی عبادت کرو کہ خالق اور مخلوق دونوں کو تم پر ترس آنے لگ جائے۔ دستور بھی یہی ہے کہ انسان ادھار کی چیز سے تھوڑے وقت میں زیادہ کام نکالتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی عورت کی استری خراب ہو جائے تو وہ اپنی ہمسائی سے منگواتی ہے۔ جب اسے استری ملتی ہے تو وہ اس سے صرف اپنے میاں کے کپڑے استری نہیں کرتی۔ اسے پتہ ہوتا ہے کہ یہ ادھار کی چیز ہے اور مجھے واپس دینی ہے۔ اس لیے وہ اسی وقت اپنے بھی، بچے کے بھی اور بچی کے بھی کپڑے استری کر لے گی۔ اسی طرح یہ جسم ہمارے پاس ادھار کا مال ہے، یہ اللہ تعالی کی ملکیت ہے اور ہمارے پاس تھوڑے سے وقت کے لیے اس کا کنٹرول ہے۔ اب ہم جتنا چاہیں اس کو استعمال کر سکتے ہیں۔ جب کوئی آدمی مشین لگاتا ہے تو وہ آٹھ گھنٹے کام کر کے سولہ گھنٹے کام بند نہیں کرتا، بلکہ وہ تین شفٹیں لگاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ بندے تو بدلتے رہیں لیکن مشین سے کام ہوتا رہے۔ بالکل اسی طرح اللہ والوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اس ادھار کی مشین سے دن رات عبات کر کے خوب کام نکالتے ہیں۔

قابلِ رشک ذوقِ عبادت

ہمارے مشائخ کے دلوں میں عبادت کرنے کا بہت شوق ہوتا تھا۔ایک بزرگ کی عمر ستر سال تھی۔ وہ ستر سال کی عمر میں روزانہ ستر طواف کیا کرتے تھے۔ہم نے زیادہ سے زیادہ ایک وقت میں پانچ طواف کر لیے ہوں گے،ایک طواف کے سات چکر ہوتے ہی،اس حساب سے ہم نے ایک وقت میں پینتیس چکر لگا لیے ہوں گے۔ وہ ستر طواف میں چار سو نوے چکر لگاتے تھےاور ہر طواف کے بعد دو نفل پڑھتے تھے۔اس حساب سے ایک سو چالیس نفل بھی بن گئے۔ اب ذرا سوچیں کہ اگر ہم اپنی زندگی میں کبھی پچاس رکعتیں پڑھ لیں تو ہمارا کیا حال ہوگا؟ آخری رکعت میں سمع اللہ کی جگہ اولی اللہ نکل رہا ہوگا۔طواف کے چار سو نوے چکروں کے علاوہ ایک سو چالیس نفل پڑھنا ان کا ایک عمل ہے اور باقی عبادات مثلاً تلاوت اور تسبیحات وغیرہ اس کے علاوہ ہیں۔گویا کہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہمارے مشائخ نے اتنی عبادات کی ہیں کہ انہوں نے (One minute accurated develop) یعنی کہ انہوں نے اپنی زندگی کے ایک ایک منٹ کو بھی صحیح استعمال کیا ہے۔

حضرت جرجانیؒ کا معمول

ایک دفعہ خواجہ سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کو ستو پھانکتے ہوئے دیکھا۔انہوں نے پوچھا اکیلے ستو کیوں پھانک رہے ہیں،روٹی ہی پکا لیتے۔انہوں نے کہا کہ میں نے روٹی چبانے اور ستو پھانکنے کا حساب لگایا ہے،روٹی چبانے میں اتنا وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے کہ آدمی ستر مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکتا ہے،اس لیے میں نے گزشتہ چالیس برس سے روٹی کھانا چھوڑ دی ہے اور فقط ستو پھانک کر گزارا کرتا ہوں۔گویا سلف صالحین اپنی ضروریات کے وقت کو بھی کم کر کے عبادات میں لگایا کرتے تھے۔

شاگرد ہوں تو ایسے

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ بھی درس دیتے تھے اور فارغ ہوکر دوسری جگہ بھی درس دیتے تھے۔ان کو فرصت نہیں ہوتی تھی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں شوق ہوتا تھا کہ میں فلاں کتاب بھی حضرت سے پڑھ لوں۔جب انہوں نے اپنے شوق کا اظہار کیا تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وقت کی صورت حال تو آپ کے سامنے ہے بلکہ درس کروانے والے حضرات نے تو مجھے سواری کا انتظام کر کے دیا ہوا ہے، چناں چہ میں گھوڑے پر سوار ہوکر دوسری جگہ پہنچتا ہوں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا حضرت! جب آپ گھوڑے پر سفر کر رہے ہوں گے، میں اس دوران آپ کے گھوڑے کے ساتھ دوڑتا ہوا جاؤں گا، آپ بیٹھ کر درس دیتے رہنا، میں اس حالت میں بھی آپ سے درسِ حدیث حاصل کروں گا۔

ایک حدیث سے چالیس مسائل کا جواب

ایک مرتبہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچے انہوں نے وہاں رات جاگتے ہوئے گزار دی۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا آپ رات کو کیوں نہیں سوئے؟ فرمانے لگے کہ میرے سامنے ایک حدیثِ پاک آ گئی تھی کہ ایک مرتبہ نبی علیہ السلام نے ایک چھوٹے سے بچے کو جو انس رضی اللہ عنہ کا بھائی تھا، فرمایا:

یا ابا عمیر مافعل النغیر۔اے ابوعمیر! تیرے پرندے نے کیا کیا

اس نے ایک پرندہ رکھا ہوا تھا۔وہ مر گیا تو جب بھی نبی علیہ الصلوۃ والسلام اس سے ملتے تو اسکو خوش طبعی سے فرماتے کہ تیرے پرندے نے تیرے ساتھ کیا کیا۔یعنی مر گیا اور تجھے چھوڑ گیا تو میں ان الفاظ پر غور کرتا رہا اور حدیثِ پاک کے اتنے سے ٹکڑے سے میں نے فقہ کے چالیس مسائل کا جواب نکال لیا ہے۔جیسے

چھوٹے بچے کو تصغیر کے ساتھ بلا سکتے ہیں۔

کنیت سے کیسے پکارا جاتا ہے۔

سبحان اللہ سبحان اللہ! اسی لیے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! دن اچھا نہیں لگتا مگر تیری یاد کے ساتھ اور رات اچھی نہیں لگتی مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ۔

قرب سجدے سے ملتا ہے

حدیث پاک میں آیا ہے:

یتقرب الی عبدی بالنوافل

میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا ہے

اور قرآن مجید کی ایک آیت ہے:

و اسجد و اقترب (العلق:۱۹)

اور سجدہ کر اور قرب حاصل

چوں کہ نوافل میں بھی سجدہ ہوتا ہے اس لیے حدیثِ پاک بھی بتلاتی ہے کہ قرب سجدے سے ملتا ہے۔ اور قرآن مجید کی آیت بھی بتلاتی ہے کہ قرب سجدے سے ملتا ہے، مگر ہم سجدے کرنے سے گھبراتے ہیں۔ ہمیں تو نفلوں کی توفیق ہی نہیں ملتی۔ ہم تو فرضوں کے ساتھ والے نوافل بھی بڑی مشکل سے پڑھتے ہیں باقی نفل کیا پڑھیں گے۔ جب نفل ہی نہیں پڑھنے تو پھر قرب کیا ملے گا۔ نہ تو قرآن مجید کی آیت غلط ہوسکتی ہے اور نہ ہی اللہ کے محبوب ﷺ کا فرمان غلط ہوسکتا ہے۔ دونوں طرف سے ثبوت مل رہا ہے کہ قرب نفلوں سے ملے گا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ عشاء کی وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا ذوقِ عبادت

ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے تہجد کی نماز پڑھی اور اس کے بعد جب فجر کا وقت ہوا تو آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے۔ جب مسجد میں تشریف لے جانے لگے تو آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا مصلے پر بیٹھ کر اللہ تعالی کا ذکر کر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے مسجد میں آ کر فجر کی نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ فجر کی قرأت لمبی فرمایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے نماز پڑھانے کے بعد مسجد ہی میں تشریف فرما ہوئے۔ صحابہ کرام ارد گرد بیٹھ گئے، وہ محفل کافی دیر تک منعقد رہی حتی کہ چاشت کا وقت ہو گیا۔ یوں سمجھئے کہ آج کل کے مطابق دن کے نو بجے کا وقت ہو گیا۔ پھر اس کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف لائے۔ جب آپ گھر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اسی حالت میں مصلے پر بیٹھی ذکر کر رہی ہیں۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے پوچھا جویریہ! جب میں تمہیں چھوڑ کر گیا تھا تو اس وقت آپ بیٹھی ذکر کر رہی تھیں، کیا آپ اس وقت سے لے کر اب تک ذکر میں ہی لگی ہوئی ہیں؟ عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ میں نے فجر کی نماز ادا کی اور میں اس وقت سے لے کر اللہ کی یاد میں بیٹھی ہوئی ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امہات المومنین کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ وہ گھنٹوں مصلے پر گزارا کرتی تھیں اور یہی عادت امت کی نیک بیبیوں کی رہی ہے۔ ان کے دلوں میں عبادت کا شوق تھا اور انہیں مصلے کے ساتھ محبت ہوتی تھی۔ یاد رکھیں کہ جو انسان یہ دیکھنا چاہے کہ میرے دل میں اللہ رب العزت کی محبت کتنی شدید ہے وہ یہ دیکھے کہ اس کو مصلے پر بیٹھ کر کتنا سکون ملتا ہے۔ اگر محبت میں شدت ہو گی تو اسے مصلے پر بیٹھ کر ایسے ہی سکون ملے گا جیسے بچے کو ماں کی گود میں بیٹھ کر سکون ملتا ہے۔

تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا جواب سن کر فرمایا جویریہ رضی اللہ عنہا! میں تمہیں ایسے کلمات سکھاتا ہوں کہ اگر تم ان کو تین مرتبہ صبح و شام پڑھ لو گی تو تمہیں اتنا

اجر ملے گا کہ تم نے تہجد سے لے کر اب تک جتنی عبادت کی ہے اس سے بھی زیادہ اجر ملے گا۔ جب نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا تو ام المومنین رضی اللہ عنہا تو بڑی خوش ہوئیں اور عرض کرنے لگیں کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! ضرور بتا دیجئے۔ چناں چہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ کلمات یہ ہیں:

سبحان الله وبحمده عدد خلقه ورضى نفسه وزنة عرشه ومداد كلماته

اللہ کی پاکی (اور پاکیزگی) بیان کرتا ہوں اور اس کی تعریف اس کی مخلوق کے برابر، اور اس کی ذات کی رضا کے موافق اور اس کے عرش کے ہم وزن اور اس کے کلمات کی سیاہی کی مقدار کے برابر۔

نبوت کی سوچ اور اس کی پرواز

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی اس دعا میں کتنی گہرائی ہے اس کا اندازہ اس کے مفہوم سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔

☆**سبحان الله وبحمده**

یعنی میں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہوں اور اللہ تعالی کی تعریف کرتی ہوں۔

☆**عدد خلقه**

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ کی اتنی حمد بیان کرتی ہوں جتنی اللہ تعالی کی مخلوق ہے۔ سبحان اللہ! اللہ کے محبوب ﷺ نے یہ کیسا نوبل آئیڈیا پیش فرما دیا ہے۔ واقعی اگر نبی علیہ الصلوۃ والسلام امت کو یہ تعلیم نہ دیتے تو امتیوں کے دماغ کی پرواز ہی اتنی نہیں تھی کہ وہ ایسی دعائیں اپنی عقل کے بل بوتے پر مانگ سکتے۔ یہ محسن انسانیت کا امت پر احسان ہے کہ انہوں نے ایسی پیاری پیاری تعلیمات دیں کہ ہم تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کما سکتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کی مخلوق کتنی ہے؟اس وقت پوری دنیا میں بلین انسان ہوں گے، جو اب تک گزر چکے ہیں وہ ٹریلین ہوں گے اور جو قیامت تک آئیں گے وہ بھی ٹریلین ہوں گے۔اتنی مخلوق تو انسانوں پر مشتمل ہے۔پھر پوری دنیا میں جانور کتنے ہوں گے۔ پرندے کتنے ہوں گے۔پھر سمندروں اور دریاؤں میں مچھلیاں اور دوسری آبی مخلوق کتنی ہوگی۔ کیڑے مکوڑے کتنے ہوں گے۔مکھیاں اور مچھر کتنے ہوں گےاور ذرا نیچے چلے جائیں پوری دینا میں جراثیم کتنے ہوں گے کہتے ہیں کہ اگر زمین سے ایک گرام مٹی اٹھائی جائے تو اس میں کئی ملین جراثیم موجود ہوتے ہیں۔بیکٹیریا کتنے ہوں گے۔ہم جو سانس لیتے ہیں،ایک مرتبہ سانس لینے میں کئی ملین بیکٹیریا ہمارے اندر چلے جاتے ہیں اور اسی طرح باہر بھی نکلتے ہیں۔اگر سانس کے اندر کئی ملین بیکٹیریا ہیں تو پوری دنیا میں کتنے بیکٹیریاں ہوں گے پھر ہمارے اپنے جسم کے اندر کتنے بیکٹیریا ہیں۔اللہ اکبر!اگر ان سب کو ہم شمار کرنا چاہیں تو ہم اس کو شمار ہی نہیں کر سکتے۔پھر جن بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔فرشتے بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔جنت میں حور وغلمان بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔یہ تو ذی روح مخلوقات ہیں۔اس کے علاوہ درخت بھی مخلوق ہے،اس کے پتے بھی مخلوق ہیں۔زمین کے ذرات بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔پانی کے قطرے بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔اکر ہم ان سب کو گننا چاہیں تو کیا ہم گن سکتے ہیں؟اللہ تعالی نے فرمادیا:

وما یعلم جنود ربک الا هو (المدثر:۳۱)

اور اللہ کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تو جب اللہ کی اتنی مخلوق ہے کہ اللہ تعالی کے لشکروں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تو دیکھو کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے کتنی پیاری اور جامع دعا تعلیم فرمائی ہے۔اللہ اکبر کبیرا!بات تو چھوٹی سی ہے لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی کتنی حمد بیان ہوئی ہے۔

☆**ورضی نفسه**

یعنی اے اللہ! میں تیری اتنی تعریف کرتا ہوں کہ جس تعریف سے آپ خوش ہو جائیں۔ اللہ تعالی کتنی تعریف سے خوش ہوتے ہیں؟ یہ تو اللہ تعالی کو ہی معلوم ہے یہ تو ہمارے وہم وگمان سے بھی بڑی بات ہے۔

وزنة عرشه

اور اللہ! جتنا آپ کے عرش کا وزن ہے اس وزن کے برابر میں تیری تعریف بیان کرتا ہوں۔اب اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ اس کے عرش کا وزن کتنا ہے۔

☆ومداد كلماته

اور اے اللہ! جتنے آپ کے کلمات ہیں، ان کلمات کے بقدر میں آپ کی تعریفیں کرتا ہوں۔اب اللہ تعالیٰ کی صفات کتنی ہیں۔آیئے! قرآن پاک میں دیکھئے۔

اللہ تعالی ارشادفرماتے ہیں:

قل لو كان البحر مدادا لكلمات ربى لنفد البحر قبل ان تنفد كلمات ربى ولو جئنا بمثله مددا۔(الکہف:۱۰۹)

اے محبوبﷺ آپ فرمادیجئے کہ اگر ساری دنیا کے سمندروں کا پانی سیاہی بنادیا جاتا اور اس سیاہی سے تیرے رب کی تعریفیں لکھنی شروع کی جاتیں تو ایک وقت آتا کہ یہ سیاہی ختم ہوجاتی مگر تیرے رب کی تعریفیں لکھنی شروع کی جاتیں تو ایک وقت آتا کہ یہ سیاہی ختم ہوجاتی مگر تیرے رب کی تعریفیں کبھی ختم نہ ہوتیں۔

پھر اس سے آگے بڑھ کر بات کہی۔فرمایا کہ اگر ساری دنیا کے درختوں کی قلمیں بنادی جاتیں اور ساری دنیا کے سمندروں کا جتنا پانی ہے اتنے سات سمندر اور ہوتے، یہ سب پانی سیاہی بن جاتا اور یہ سب درخت قلمیں بن جاتے، پھر ان قلموں اور سیاہی سے تیرے رب کی تعریفیں لکھنی شروع کی جاتیں تو ایک وقت آتا کہ یہ قلمیں ٹوٹ جاتیں اور یہ سیاہی خشک ہوجاتی

مگر تیرے رب کی تعریفیں کبھی ختم نہ ہوتیں۔سبحان اللہ! نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی سوچ کا حسن اور پرواز دیکھئے۔ واقعی یہ نبوت کی سوچ ہے جو اللہ رب العزت کی تعریف اتنے پیارے انداز میں بیان کرتی ہے۔

اب دیکھئے کہ یہ ایک چھوٹی سی دعا ہے جسے ہر بچہ یاد کرسکتا ہے، ہر عورت یاد کرسکتی ہے، جو ان بھی اور بوڑھی بھی، حتی کہ نوے سال کی عمر کو پہنچ چکی ہو تو وہ بھی یاد کرسکتی ہے۔اگر ہمیں علم ہو تو پھر ہم اسے صبح وشام پڑھ کر اجر کما سکتے ہیں۔مگر آج کتنے لوگ ہیں جو اس دعا کو روزانہ پڑھتے ہیں۔ یہ سوال اپنے آپ سے پوچھ کر دیکھئے۔ جواب ملے گا کہ اکثریت اس دعا کو پڑھنے میں غفلت کر جاتی ہے۔یاد رکھیں کہ ہم اپنے فارغ اوقات کو صرف نیکی میں ہی نہ لگائیں بلکہ نیکیاں بھی وہ کریں جن کی وجہ سے ہم تھوڑے وقت میں زیادہ اجر کما سکیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب حاصل ہو سکے۔ آج کتنے لوگ ہیں جو دل میں یہ تمنا رکھتے ہوں کہ ہم تہجد کے وقت اپنے پروردگار کے دربار میں حاضری لگوائیں۔فرشتے تہجد میں اٹھنے والے لوگوں کے نام لکھتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ رات کے آخری پہر میں اللہ کے چاہنے والوں کے ناموں کی فہرست بنتی ہے اور اللہ رب العزت کے حضور پیش کی جاتی ہے۔ ہمارے دل میں یہ تمنا ہونی چاہئے کہ کاش میرا نام بھی اللہ رب العزت کے چاہنے والوں کی فہرست میں شامل ہو جائے۔

☆☆☆

خبرنامہ

آسام میں ریل حادثہ: ہاتھیوں کے جھنڈ سے ٹکرائی راجدھانی ایکسپریس، سات ہاتھی ہلاک

گوہاٹی: آسام میں ایک بڑے ریل حادثے میں بال بال بچنے کی خبر سامنے آئی ہے، جہاں ہفتہ کی علی الصبح راجدھانی ایکسپریس ایک ہاتھیوں کے جھنڈ سے ٹکرا گئی۔ یہ افسوس ناک واقعہ لمڈنگ ڈویزن کے جمونا مکھ کامپور ریلوے سیکشن پر پیش آیا، جس نے ایک بار پھر جنگلی جانوروں اور ریلوے ٹریک کے درمیان بڑھتے ہوئے تصادم کے مسئلے کو اجاگر کر دیا ہے۔ خوش قسمتی سے اس حادثے میں کسی بھی مسافر کو جانی نقصان نہیں پہنچا، تاہم سات ہاتھیوں کی موت نے سب کو غمزدہ کر دیا ہے، ریلوے ذرائع کے مطابق، ٹرین نمبر 20507 سیرانگ نئی دہلی راجدھانی ایکسپریس ہفتہ کی صبح تقریباً ۲ ربج کر ۱۷ منٹ پر جمونا مکھ کامپور سیکشن سے گزر رہی تھی۔ اسی دوران اچانک ہاتھیوں کا ایک بڑا جھنڈ ریلوے ٹریک پر آ گیا۔ لوکو پائلٹ نے جیسے ہی ہاتھیوں کو دیکھا، فوری طور پر ایمرجنسی بریک لگائے، لیکن تیز رفتار ہونے کے باعث ٹرین کو بروقت روکنا ممکن نہ ہو سکا اور انجن ہاتھیوں سے ٹکرا گیا۔

اس زوردار ٹکر کے نتیجے میں ٹرین کا انجن اور پانچ کوچ پٹری سے اتر گئے۔ حادثے کی جگہ گوہاٹی سے تقریباً ۱۲۶ رکلومیٹر دور واقع ہے۔ ابتدائی جانچ میں بتایا گیا ہے کہ اس حادثے میں سات ہاتھی موقع پر ہلاک ہو گئے، جب کہ ایک ہاتھی کا بچہ شدید طور پر زخمی ہوا ہے، جس کا محکمہ جنگلات کی جانب سے علاج کیا جا رہا ہے۔ حادثے کی اطلاع ملتے ہی ریلوے اور ضلعی انتظامیہ فوری طور پر متحرک ہو گئی۔ اعلیٰ ریلوے افسران نے جائے حادثہ پر پہنچ کر حالات کا جائزہ لیا۔ محکمہ جنگلات کے افسران بھی موقع پر موجود رہے اور ہاتھیوں کی لاشوں کے ہٹانے کا کام شروع کیا گیا۔ مسافروں کی حفاظت کو اولین ترجیح دیتے ہوئے متاثرہ کوچوں کے مسافروں کو دیگر کوچوں میں خالی برتھ پر منتقل کر دیا گیا۔ شدید متاثرہ کوچوں کو ٹرین سے الگ کر دیا گیا، جس کے بعد صبح تقریباً ۶ ربج کر ۱۱ رمنٹ پر راجدھانی ایکسپریس کو گوہاٹی کی جانب روانہ کیا گیا۔ ریلوے حکام نے بتایا کہ گوہاٹی پہنچنے کے بعد ٹرین میں اضافی کوچ جوڑے جائیں گے، تا کہ مسافروں کو آگے کے سفر میں کسی قسم کی پریشانی نہ ہو۔ اس واقعے کے بعد گوہاٹی ریلوے اسٹیشن پر مسافروں اور ان کے اہل خانہ کی سہولت کے لیے ہیلپ لائن نمبرز بھی جاری کیے گئے۔ ....

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا، لکھنؤ ۲۱ ردسمبر ۲۰۲۵ء)